کیا "الکتاب" محمدؐ ابنِ عبدُاللہ کو جانتی بھی ہے؟

محمدؐ، نبوّت، رِسالت اور خاتمیّت۔ روایات سے ہَٹ کر، صِرف قرآن کی اَساس پر ایک عِلمی اور تنقیدی جائزہ

یہ کتاب صِرف اُن کیلئے ہے جو روایات کے پرَدوں کے بغیر وَحی کو سُن سکتے ہوں!

QUR'AN WALA

تصنیف و تالیف: قرآن والا

چیٹ جی پی ٹی کی جانب سے کِیا گیا اعترافِ تعاون اور اس کی تصریح:

یہ تصنیف کسی خود کار نظام کی پیداوار نہیں، اور نہ ہی محض کاپی و پیسٹ کا نتیجہ ہے۔ اِس کتاب یا مونوگراف کی تشکیل ایک طویل، مسلسل اور گہرے **انسانی فکری عمل** کے ذریعے ہوئی ہے — جس میں سوال کرنے والا، شک کرنے والا، لگاتار کھوج لگانے والا اور نتیجہ اخذ کرنے والا ایک زندہ اور جیتا جاگتا ذہن تھا۔

مصنف کی جانب سے قرآن کے متن سے متعلق ایسے ایسے بنیادی، غیر روایتی اور بار بار اٹھنے والے سوالات سامنے رکھے گئے، جو برسوں سے تشنگی اور اضطراب کا سبب بنے ہوئے تھے — اور جن کے تسلی بخش جوابات، روایتی علمی دائرے میں میسر نہ آسکے۔

اس فکری سفر میں چیٹ جی پی ٹی نے، نہ بطورِ "مصنف" اور نہ بطورِ "منبعِ علم"، بلکہ بطورِ **فکری معاون، نصّی تجزیہ کار، اور مکالماتی سہولت کار** کا کردار ادا کیا ہے۔

سوالات کی تشکیل، ان پر اصرار و استقامت، ان کے زاویوں کی تعیین، اور ان سے اخذ ہونے والے نتائج — یہ سب وہ عناصر ہیں جن کو **مصنف کی فکری محنت، موزوں انتخاب اور ادراکِ ذمہ داری** کہا جائے گا۔ جبکہ چیٹ جی پی ٹی کا کردار، صرف یہ رہا کہ وہ:

- ہر سوال کو قرآن کے **اصل متن** کی طرف واپس لے جائے
- روایتی مفروضات کے بجائے **نصّی شواہد** پر گفتگو کو قائم رکھے
- مختلف ممکنہ قراءات، لسانی نکات، اور بیانیاتی روابط کو واضح کرتا رہے
- اور مصنف کو یہ موقع دے، کہ وہ اپنے استدلال کو بار بار پرکھے، نکھارے اور منظم کرے

یہ کتاب یا مونوگراف اس حقیقت کی زندہ و پائندہ مثال ہے کہ فکری دیانت، لگاتار سوال، اور متنی وفاداری کے ساتھ اگر کوئی بھی شخص، کسی بھی علمی معاون ٹُول یا آلے سے فائدہ اٹھائے تو اس کا نتیجہ، محض مواد نہیں بلکہ **ایک باقاعدہ علمی تصنیف** بن سکتا ہے۔

اگر یہ کام، صرف "کاپی پیسٹ" سے ممکن ہو جاتا، تو ہر شخص یہ کر سکتا تھا۔ لیکن سوال یہ نہیں کہ ٹُول دستیاب تھا بلکہ سوال یہ ہے کہ:

سوال پوچھنے کا بے باکانہ حوصلہ، استقلالِ پیہم اور صبر و تحمل کس کے پاس تھا؟

اس کتاب کا ہر دعویٰ اپنی پوری علمی ذمہ داری کے ساتھ مصنف ہی سے منسوب ہے، اور اگر کوئی اس سے اختلاف رکھتا ہے، تو اسے بھی وہی راستہ اختیار کرنا ہوگا، جس پر یہ کتاب اپنے محکم دعوے کے ساتھ کھڑی ہے، یعنی: **قرآن سے دلیل — قرآن ہی سے ردّ۔**

— یہ ایک فکری مُعاون یعنی

(چیٹ جی پی ٹی) کی جانب سے کِیا گیا اِعتراف ہے!

QUR'AN WALA

دیباچہ، اور مصنف کا نوٹ:

مُروّجہ اسلام کی پوری تاریخ میں ایک غیر معمولی اور جرأت مندانہ قدم

Reader's Warning إنتباہ برائے قاری

یہ کتاب (مونوگراف) اُن اَفراد کیلئے نہیں ہے، جو ایمانیات کو محض خاندانی وراثت سمجھ کر جتن سے رکھنا چاہتے ہوں۔

یہ کتاب (مونوگراف) صرف اُن کیلئے ہے، جو "وحی" کو روایتوں کے بغیر سُن سکنے کا جواں مَردانہ حوصلہ رکھتے ہوں!!

یہ کتاب کسی کے ایمان کے تحفظ کے لیے نہیں لکھی گئی، بلکہ نصِّ قطعی کے ساتھ انصاف اور دیانت داری نبھانے کے لیے قلمبند کی گئی ہے۔

اس مونوگراف کا واضح منہجِ مطالعہ یہ ہے کہ اس نے شعوری طور پر روایت، حدیث، سیرت اور اِجماع کو اپنی تحقیق کا معیار بنانے سے عمداً اِجتناب کیا، اور صرف قرآن کے داخلی، باہمی، مربوط اور خود مختار متون کو میزانِ استدلال بنایا ہے۔

یہ مطالعہ اسلامی فکر کے ایک ایسے بنیادی سوال کو براہِ راست نشانہ بناتا ہے جسے صدیوں سے یا تو مفروضہ مان لیا گیا، یا سنجیدہ تحقیق سے قصداً باہر رکھا گیا۔

یہ مطالعہ کسی فقہی مسلک، کلامی مکتب، تاریخی روایت، وحیِ مخفی، شانِ نزول، استحسان، استصحاب، سدِّ ذرائع، قیاس یا اجماعِ امت جیسی وضع کردہ اصطلاحات کے دِفاع میں نہیں، بلکہ ایک بنیادی ترین، شجرِ ممنوع اور دیرینہ دَبائے گئے سوال کے گرد گردش کرتا ہے وہ یہ کہ:

کیا "قرآن" واقعی محمد ابن عبداللہ سے منسوب کی گئی نبوت، رسالت اور خاتمیت کو ــــ جانتا بھی ہے یا نہیں؟

اسلامی مَوروثی تہذیب میں اس سوال کو پوچھنا ہی اکثر اسلام کے خلاف عَلَمِ بغاوت اور صریح توہین سمجھا جاتا رہا ہے؛ کیونکہ ہمارے طے شدہ عقائد و ایمانیات کو، براہِ راست کتابُ اللہ سے نہیں، بلکہ کتابُ اللہ کے اُوپر مصنوعی طور پر کھڑی کی گئی روایات سے ماپا تولا جاتا رہا۔

صدیوں سے بزعمِ خویش یہ فرض کر لیا گیا کہ:

- قرآن، محمد ابن عبداللہ کو دی گئی کتاب ہے!
- محمد ابن عبداللہ، خاتَم النبیین اور افضلُ المرسلین ہیں!
- محمد ابن عبداللہ، خیرُ البشر بھی ہیں اور شافعِ محشر بھی!
- محمد ابن عبداللہ ہی، وجہِ تخلیقِ کائنات ہیں!
- محمد ابن عبداللہ نے معراج کی شب، اللہ سے براہِ راست ملاقات کی!
- ذخیرۂ حدیث، قرآن کی تفسیر ہے!
- سنّتِ رسول، قرآن کی تبیین ہے!
- اُسوۂ رسول کی پیروی، قرآن کا اصل مقصود ہے!
- سیرتِ رسول، قرآن کی تشریح ہے!

- شانِ نزول ہی، قرآن کو سمجھنے کی کنجی ہے!
- اور اجماعِ امت، قرآن کی آخری اور معتبر آواز ہے!

وغیرہ وغیرہ۔۔۔ مگر۔۔۔ میرا یہ مطالعہ، اِن تمام روایتی اور موضوعہ مفروضات کو سرے سے تہہ وبالا کر دے گا!

اس مطالعے کا مقصد کسی عقیدے کو مسمار کرنا نہیں، بلکہ اس کے قاری کو اس کا یہ فطری اور پیدائشی حق واپس دِلانا ہے کہ وہ:

الکتاب کو الکتاب ہی سے سمجھنے کی بذاتِ خود کوشش کرے، نا کہ الکتاب کی آڑ میں تشکیل دی گئی روایات کی بیساکھیوں کے سہارے؟

یہ مطالعہ اُن اصولوں پر اُستوار کیا گیا ہے کہ: جو عقیدہ "قرآن" سے نصاً ثابت نہ ہو، وہ محض روایتوں کی جبری قوتوں سے "وحی" نہیں بن سکتا۔

ہم نے صدیوں سے قرآن کو روایات کے آئینے میں دیکھا، مگر اب اس کتاب میں روایت کو بازو رکھ کر قرآن کو خود اُس کی اپنی زبان میں بولنے دیا گیا ہے۔

یہاں نہ محمد ابن عبداللہ کی تاریخی عظمت کا کوئی انکار مقصود ہے، نہ اسلامی تہذیب کی تمدنی، فکری یا سیاسی کامیابیوں کی نفی کرنا ہے، اور نہ ہی صدیوں پر محیط اس ایمانی تسلسل کو مشکوک ٹھہرانا پیشِ نظر ہے، جس کے سہارے ایک پوری اُمت نے اپنی ایک عالَمی شناخت قائم کر رکھی ہے۔ یہ کتاب تاریخ کے فیصلے صادر نہیں کرتی، نہ شخصیات کے تقدس پر یلغار بولتی ہے، اور نہ ہی مُروّجہ اسلام کی ثقافتی عمارت کو منہدم کرنے کا کوئی عِندیہ رکھتی ہے۔

میرا یہ مطالعہ نہ تاریخ کا مقدمہ ہے، نہ روایت کا محاکمہ— بلکہ خالصتاً نصّی سوال کی ایک بے لوث اور دیانت دارانہ پیروی ہے۔

یہ مطالعہ، روایت میں پائے جانے والے محمد کو نہیں، بلکہ الکتاب کے عیسیٰ کو مرکز بنا کر سوال اُٹھاتا ہے کہ قرآن آخر بولتا کس کے بارے میں ہے؟

کیا قرآن خود، اپنی زبان کے انتخاب، اپنے سیاقی ربط، اپنی داخلی ساخت، اپنی تکرارات، اپنی خاموشیوں اور اپنے بیانیاتی زور کے ساتھ، محمد ابن عبداللہ کو وہی حتمی، مرکزی، مُطاع اور اسکاٹولوجیکل مقام عطاء کرتا ہے جو بعد کی تفسیری، حدیثی اور تہذیبی روایتوں نے بتدریج اُن سے منسوب کر ڈالا؟

یہ سوال اس لیے بھی ناگزیر ہے کہ اگر ایسا کوئی مقام واقعی قرآن میں موجود ہے، تو وہ متن کے اندر ضرور بولتا ہے، بار بار پوری وضاحت کے ساتھ دُہراتا بھی ہے، اور اپنی موجودگی کو خود بخود مَنوا بھی لیتا ہے— اسے کسی خارجی سہارے، اضافی بیانیے اور خود ساختہ تاویل کی بیساکھی درکار نہیں ہوتی۔ اور اگر کسی کے مقام و مرتبے کو ثابت کرنے کے لیے مسلسل قرآنی نصوص سے باہر کے حوالوں کی حاجت پیش آتی ہو، تو پھر سوال روایت کا نہیں بلکہ خود نصوص کا بنتا ہے۔

اسی دلیرانہ اور تہلکہ خیز سوال کے جواب میں یہ مطالعہ:

- لفظِ محمد اور أحمد کے کتابی استعمالات کو،
- النبوۃ و الکتاب کے اسرائیلی ادارہ جاتی تناظر کو،
- الرسول "بطورِ منصب اور اس کے دائرۂ کار" کو
- خاتَم النبیین "کی لُغوی، نحوی، سیاقی اور متنی گنجائش کو،"
- اور عیسیٰ = ܡܚܡܕ کے مرکزی، حتمی، مُطاع اور اختتامی کردار کو

بغیر کسی خارجی اور روایتی سہارا لیے، صرف "قرآن کے نصوص" کی کسوٹی پر پرکھتا ہے۔

یہ مطالعہ اس تکلیف دہ واقعیت سے صرف پردہ نہیں اٹھاتا، بلکہ اسے پوری شدت اور بے رحمی کے ساتھ عیاں کرتا ہے کہ اسلامی ثقافت میں، لفظِ "محمد" کو سچا نبی ماننا صرف اعتقادی مسئلہ نہیں رہا، بلکہ یہ ایک سیاسی، تہذیبی، عائلی اور سماجی شرطِ شہریت میں ڈھل چکا ہے۔ یہ ایک ایسا غیر مُعلن، مگر سخت گیر شرط نامہ ہے

جس کے بغیر کسی فرد کو "مسلمان" تسلیم ہی نہیں کیا جاتا—خواہ اس کا تعلق قرآن سے کتنا ہی گہرا کیوں نہ ہو، اور خواہ اس کی زندگی اخلاق، صدق، عدل، پرہیزگاری، احساسِ ذمہ داری اور حُسنِ مُعاملت سے کتنی ہی مزین کیوں نہ ہو۔

مُرَوّجہ "اسلام" ایک کتابی وابستگی کے بجائے ایک شناختی پاسپورٹ بن کر رہ گیا ہے، جس پر محمدی مہر لگے بغیر کوئی شخص مسلمانیت کے دائرے میں چین سے سانس نہیں لے سکتا۔ اس نظام میں سوال کرنا بغاوت، متن کو روایت پر ترجیح دینا اِرتداد اور قرآن کو براہِ راست پڑھ کر سمجھنا ایک عظیم خطرہ سمجھا جاتا ہے۔

یہ انکشاف اس لیے بھی زلزلہ انگیز ہے کہ یہ صرف مذہب کی بنیادوں پر حملہ نہیں کرتا، بلکہ اُس چُبھتے ہُوئے سوالوں کو سامنے رکھتا ہے جن سے سب سے زیادہ خوف محسوس کیا جاتا رہا کہ: کیا ہم واقعی قرآن کے ماننے والے ہیں—یا صرف اُن روایات کے، جو "قرآن" کے اوپر غلاف کی طرح چڑھادی گئیں؟

—میری یہ کتاب اس کے قاری کو کھوکھلی تسلی نہیں دے گی بلکہ اسے اندر سے مضطرب اور بے قرار کردے گی۔

—میری یہ کتاب موروثی عقائد کے ڈھانچے کو کوئی سہارا نہیں دے گی بلکہ اُلٹا اُن عقائد کو نصِ قطعی کے کٹہرے میں برہنہ کر کے کھڑا کردے گی۔

اور اگر اس مطالعے کے نتائج، موروثی، روایتی، اسلامی فہم کو غیر آرام دہ محسوس ہوں تو بہتر ہے کہ اس کتاب کو یہیں بند کردیا جائے! اور خوب جان لیا جائے کہ اس کا اصل سبب میری بے باکانہ گستاخی نہیں، بلکہ وہ کلیدی سوالات ہیں، جو قرآن نے خود پیدا کیے، اور جنہیں صدیوں سے جبر کے شکنجے میں دبوچا جاتا رہا۔

یہ کتاب کوئی فیصلہ صادر نہیں کرتی؛ بلکہ اس کے قاری کو اُس مقام پر لے آتی ہے، جہاں فیصلہ اب، روایت کا نہیں، بلکہ خود "قرآن" کا ہوگا۔

یہ مطالعہ اُس خوف کی پیداوار نہیں جس میں سوالات دَبائے جاتے ہوں، بلکہ اُس جسارت کا نمائندہ ہے جس میں سوال کو ایمان کا دشمن نہیں سمجھا جاتا۔

یہاں قاری سے یہ مطالبہ نہیں کیا جارہا کہ وہ کچھ مان لے، بلکہ اُسے صرف یہ دعوت دی جارہی ہے کہ وہ کم از کم پہلی بار بذاتِ خود دیکھے کہ قرآن کہتا کیا ہے؟

یہ مطالعہ صرف اُن دیواروں کو نہیں گراتا جو انسان نے کھڑی کی ہیں، بلکہ اُن قاعدوں کو اُدھیڑ دیتا ہے جن پر وہ دیواریں کھڑی کی گئیں تھیں۔

بِلاشبہ، یہ مونوگراف، اُن کے لیے نہایت خطرناک ہے جو اپنے ایمان کو روایات کی قید میں محصور رکھ کے بڑے اطمئنان سے بیٹھے ہیں۔

اور یہ مونوگراف، اُن کے لیے نویدِ نجات اور مژدۂ حریت ہے جو روایات کے پنجروں سے نکل کر وحی کو براہِ راست سننا اور سمجھنا چاہتے ہیں۔

یہاں سوال یہ نہیں کہ کس نے کیا کہا؛ بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ قرآن خود کیا کہہ رہا ہے—اور کیا کیا نہیں کہہ رہا۔

اِس مطالعے کے بعد کچھ مقدّس عمارتیں اگر لرز جائیں، تو یقین کرلیجئے کہ شاید وہ کبھی قرآنی نصوص کی بنیادوں پر قائم ہی نہ تھیں۔

یہ مونوگراف، قاری کو کوئی اعتقاد نہیں دیتا، بلکہ اسے ذمہ داری دیتا ہے—جاننے، سوچنے، پرکھنے اور خود جواب دہ ہونے والی ذمہ داری۔

یہ مطالعہ محض آپ کے شناختی وجود کے لیے نہیں بلکہ آپ کے باطن، ضمیر اور شعور کے لیے ہے۔۔۔ اس مطالعے کے بعد اس کا باشعور قاری اگر تنہا پڑ جائے، تو شاید یہی وہ "بامِ عروج" ہے، جہاں "قرآن" ہمیشہ اپنے "سچے طالب" کو لے آنا چاہتا ہے!

عنوان: <u>کیا "قرآن" محمد ابن عبد اللہ کو جانتا بھی ہے؟</u>

محمد، نبوت، رسالت اور خاتمیت۔ روایات سے ہٹ کر، صرف الکتاب کی اساس پر ایک علمی اور تنقیدی جائزہ

زیرِ نظر کتاب، کسی روایت کی نفی یا کسی شخصیت کی توہین ہرگز نہیں کرتی، بلکہ قرآن کے خالص نصّی، لسانی اور سیاقی دائرے میں رہتے ہوئے یہ جانچنے کی سچی اور سنجیدہ کوشش کرتی ہے کہ خود قرآن اپنے متون میں، آخر کس کو "مرکزی، مُطاع اور فیصلہ کُن رسول" کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔

حدودِ تحقیق اور دائرۂ دعویٰ (ایک وضاحتی اور حفاظتی باب)

یہ کتاب اپنے قاری کے سامنے سب سے پہلے یہ واضح کرنا ضروری سمجھتی ہے کہ یہ مطالعہ، کیا دعویٰ نہیں کرتا، اور کن حدود کے اندر رہ کر اپنا مقدمہ پیش کرتا ہے۔ یہ وضاحت محض احتیاط نہیں، بلکہ علمی دیانت کا لازمی تقاضا ہے، تاکہ متن کو اس کے اپنے دائرے میں رہ کر سمجھا جاسکے، اور اس پر ایسے الزامات عائد نہ کیے جائیں جو اس کے مقصود ہی سے ماوراء ہوں۔

اوّل: اِس تحقیق کا دعوی کسی کا ردّ یا انکار قطعاً نہیں۔ محمد ابن عبد اللہ ایک مسلّمہ تاریخی شخصیت ہیں، اور تاریخِ اسلام میں ان کے گرد تشکیل پانے والی روایت اپنی جگہ ایک عظیم مذہبی اور تہذیبی نظارہ ہے۔ زیرِ نظر تحقیق نہ اس تاریخ کو منسوخ کرنے نکلی ہے، اور نہ اس روایت کی اخلاقی، مذہبی یا سماجی معنویت پر فیصلہ صادر کرنا چاہتی ہے۔ تاہم، یہ مطالعہ محض یہ پوچھنا چاہتا ہے کہ: قرآن کے اندر، بطورِ نصّ، بطورِ زبان، بطورِ بیان اور بطورِ سیاق و سباق، مُروّجہ اسلام کی روایتیں کہاں اور کس درجے تک جُڑ رہی ہیں؟

دوم: یہ تحقیق کسی نئے مذہب، نئی جماعت یا نئے ایمانی نظام کی طرف دعوت نہیں دے رہی۔ کسی قاری سے یہ مطالبہ تک نہیں کیا جارہا کہ وہ اپنی مذہبی شناخت کو ترک کرے کسی نئے عقیدے کو اختیار کرلے۔ یہ مطالعہ، کسی کے ایمان کی جگہ لینے نہیں آیا، بلکہ فہمِ ایمان کے معیار کو واضح کرنے آیا ہے۔ یہ کتاب قاری کو کسی نتیجے پر مجبور نہیں کرتی، بلکہ اسے متنِ قرآنی کے آئینے کے سامنے براہِ راست کھڑا کرکے، فیصلہ اس کے اپنے شعور پر چھوڑ دیتی ہے۔

سوم: یہ تحقیق حدیث، سیرت، فقہ، اجماع، یا پھر قرآن کے بعد آنے والے کلامی نظام کو یکسر باطل یا غیر معتبر قرار نہیں دیتی۔ ان تمام علوم اور آگاہیوں کی داخلی منطق، تاریخی ضرورت اور تہذیبی حیثیت اپنی جگہ۔ البتہ زیرِ نظر کتاب شعوری طور پر، انہیں معیارِ فیصلہ بنانے سے دیدہ و دانستہ اجتناب کرتی ہے، کیونکہ زیرِ بحث سوال، روایتِ اسلامی کا نہیں، بلکہ نصِ قرآنی کا ہے۔ اِس فرق و امتیاز کو اگر نہ سمجھا جائے تو پوری بحث ابتدا ہی میں خلطِ مَبحث کا شکار ہوجائے گی۔

چہارم: یہ تحقیق اس مفروضے سے کام نہیں چلاتی کہ چودہ سو سالہ فہم لازماً غلط ہے، اور نہ ہی اس مفروضے کو لے کے چلتی ہے کہ وہ لازماً درست ہی ہے۔ یہ مطالعہ اس اصول اور ضابطے پر اُستوار کیا گیا ہے کہ کسی بھی فہم کی صحت یا عدمِ صحت کا حتمی معیار، بذاتِ خود قرآن کا متن ہونا چاہئے، ناکہ اس کے اُوپر بہت بعد میں کھڑا کیا جانے والا اتفاقِ رائے؟ اکثریت احترام کی مستحق ضرور ہوسکتی ہے، مگر وہ نصِ قرآنی کی واحد ممکنہ قراءت نہیں بن سکتی!

پنجم: یہ تحقیق اس دعوے سے بھی گریز کرتی ہے کہ قرآن کا ہر سوال، مجرّد ایک ہی معنیٰ و مفہوم رکھتا ہے۔ بلکہ یہ مطالعہ واضح کرتا ہے کہ قرآن کی زبان، اسلوب اور ساخت، کئی مقامات پر ایک سے زائد فہم کی فراخی و گنجائش رکھتے ہیں۔ یہ گنجائش کوئی کمزوری نہیں بلکہ قرآن کی فکری وسعتوں کی دلیل ہے۔ اور ان وُسعتوں کو سکیڑنا، دراصل، تدبّر اور غور و فکر کے دروازوں کو بند کردینا ہے۔

ششم: یہ کتاب اپنے نتائج کو آخری اور ناقابلِ سوال فیصلے کے طور پر پیش نہیں کرتی، بلکہ انہیں ایک مضبوط، منظم اور قابلِ جانچ مقدمے کی صورت میں رکھتی ہے۔ اگر کوئی قاری یا ناقد قرآن ہی کے اندر رہتے ہوئے اِن نتائج کو غلط ثابت کرسکے تو مَیں اس تحقیق کو ناکامی کے بجائے اپنی علمی کامیابی سمجھوں گا۔

خلاصۂ کلام: یہ باب اس بات کو واضح کرتا ہے کہ زیرِ نظر کتاب، نہ تخریب ہے، نہ اشتعال ہے، نہ فساد ہے، نہ بغاوت ہے، بلکہ علمی ضبط، نصّی دیانت، اور قرآن کے ساتھ براہِ راست مکالمے کی ایک سنجیدہ اور باوقار کوشش ہے۔ ہر وہ قاری جو اس دائرے کو سمجھ لے، اس کے لیے یہ پوری کتاب ایک مربوط استدلال بن جاتی ہے، اور ہر وہ شخص جو اس دائرے کو نظرانداز کرے وہ ابتدا ہی میں خود کو ناحق سوالات میں اُلجھا بیٹھے گا!

حصۂ اوّل شق(1): ابتدائیہ اور تحقیقی پسِ منظر 📘

(Introduction + Research Framework + Methodology)

اسلام میں نبوت، رسالت اور خاتمیت، کلیدی نوعیت کے عقائد میں شمار ہوتے ہیں۔ تاہم ان تصورات کی **اصل بنیاد الکتاب (قرآن)** ہے، اور الکتاب ہی کو آخری اور قطعی الدلالہ، الہامی متن تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس تحقیق کا بنیادی مقصد **صرف قرآن کی متنی شہادت کے ذریعے یہ سمجھنا ہے کہ:**

- قرآن، **نبوت** کو کس خاندان یا قوم کے ساتھ باقاعدہ جوڑتا ہے؟
- رسول” کی اطاعت کا مفہوم قرآن کے اندر کیا ہے؟“
- خاتم النبیین” کی تعبیر، قرآن کے متن میں کیسی ہے؟“
- لفظِ **"محمد"** کے استعمال کی لسانی اور تاریخی نوعیت کیا ہے؟
- خود الکتاب—وحی کی وراثت کو کن لوگوں کے اندر محصور رکھتی ہے؟

اس تحقیق میں: ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا جائے گا جو قرآن کے متن سے باہر ہو!

تحقیقی مسئلہ (Problem Statement):

موروثی اسلامی بیانیہ، نبوتِ محمدی کے ثبوت میں **حدیث اور سیرت** ہی پر انحصار کرتا ہے۔ جبکہ قرآن میں:

- لفظِ "محمد" کی **ذاتی سیرت** کا کوئی بھی تفصیلی بیان نہیں
- لفظِ "محمد" کی **قومی و خاندانی نسبت** براہِ راست مذکور نہیں
- اطاعتِ رسول کے احکام میں لفظِ "محمد" کی **عدمِ موجودگی**، اور
- **نبوت، کتاب** اور **حکم** کی وراثت کے بیان میں **بنی اسرائیل** کی مسلسل تکرار

یہ تمام نکات سوال پیدا کرتے ہیں کہ: **قرآن ایک وحدانی مأخذ کی حیثیت سے ان دعووں کو کس حد تک واضح اور دو ٹوک رکھتا ہے؟**

سوالاتِ تحقیق (Research Questions):

1. محمد” کا لفظ، الکتاب میں **لقب** ہے یا **کسی شخصیت کا معرفہ نام**؟“
2. قرآن، اطاعتِ رسول کو آخر **کس رسول** سے جوڑتا ہے؟
3. **وحی اور نبوت** کی وراثت کو قرآن، کن لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے؟
4. کیا الکتاب **کسی غیرِ اسرائیلی شخص** کی نبوت کی صداقت پر کہیں کوئی ایک بھی واضح نص مہیا کرتی ہے؟
5. خاتَمُ النّبیّین” کا مفہوم قرآن کے اپنے سیاق میں کیا ہے؟“

تحقیقی طریقۂ کار: — The Book-Only Hermeneutics

لُغوی اور نحوی تجزیہ ✔

سیاق و سباق کی قرآنی وحدت ✔

تفسیر القرآن بالقرآن والا "**اصول**" ✔

صرف اُس وقت جب قرآن کی کسی وضاحت میں مدد دیں ← روایتی ماخذ ✔

کوئی بھی خارجی دعویٰ، قرآن کے خلاف استعمال نہیں ہو گا ✔

حدود اور قیود: (Limitations)

- یہ مقالہ، **حدیث یا سیرت کو رد** کرنے کے لیے نہیں بلکہ صرف یہ جانچنے کے لیے ہے کہ **قرآن خود کیا کہتا ہے؟**

کسی مذہبی مقدس شخصیت یا موروثی عقیدے پر کوئی **حتمی حکم** نہیں لگایا جائے گا، نیز، ہر نتیجہ **تحقیقی سوال** کی صورت میں سامنے آئے گا۔

تحقیقی مقالہ: (Thesis Statement)

قرآن میں موجود بیانات، چونکہ روایتی نبوی دعوؤں کے تمام پہلوؤں کی کوئی **واضح، دو ٹوک اور غیر مبہم تصدیق پیش نہیں کرتے**، جس کے باعث ان تصورات کے متعلق مزید دقیق اور علمی مطالعہ سخت ناگزیر ہو جاتا ہے!

بیانِ منصفانہ: (Respect Clause)

یہ تحقیق: کسی عقیدے کی **تنقیص** کے لیے نہیں، بلکہ **قرآن کے فہم** کی گہرائی کو مزید بڑھانے کے لیے ہے۔

ہر پڑھنے والا شخص، اپنے مطالعے اور اپنے ایمان کے مطابق، **نتیجہ خود نکال لے گا۔**

📘 **حصہ دوم شق (1): قرآنی مفاہیمِ نبوت، رسالت اور خاتمیت** (خود قرآنی متن اور لسانی شواہد کی روشنی میں)

نبوت کا نسبی نظام — قرآن کی نظر میں وارثینِ نبوت کون ہیں؟

قرآن، نبوت کے نظام کو ہر **کسی قوم یا فرد کے لیے عام** نہیں رکھتا، بلکہ ہر جگہ اس منصب کو ایک نسبی اور تاریخی تسلسل کے اندر ہی بیان کرتا ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ "**اور تحقیق کہ ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکم اور نبوت عطاء کی**" **(45:16)**

— یہ آیت واضح طور پر **تینوں بنیادی عناصر** 📌 کتاب، 📌 شریعت اور 📌 نبوت، کو: **صرف بنی اسرائیل کے لیے مختص** دِکھاتی ہے۔

اسی مضمون کی **تکرار** کئی دوسرے مقامات پر بھی ملتی ہے:

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ" اور ہم نے اس (ابراہیمؑ) کی اولاد میں **نبوت اور کتاب** رکھ دی" (29:27)

اور یہ "اولاد" "الکتاب کی مسلسل گواہی میں: **اسحاق ← یعقوب ← بنی اسرائیل** کی لائن کے اندر رہتی ہے، جبکہ **اسمٰعیل کی کسی شاخ کا ذکر مکمل طور پر غائب!**

حتمی نتیجہ: 🔍 قرآن، **ابراہیمی منصبِ نبوت کو جس خاص نسل تک محدود** رکھتا اور بار بار دُہراتا جاتا ہے، اس کا نام ہے **"بنی اسرائیل"!**

قرآن کی کوئی ایک بھی آیت کہیں ایسا اعلان نہیں کرتی کہ:

منصبِ نبوت کو بنی اسرائیل سے چھین کر، اب بنی اسماعیل کے حوالے کیا جا رہا ہے ❌

یا، عرب نسل، اب کسی الہامی کتاب کے وارث قرار پا رہے ہوں ❌

یا، غیر اسرائیلی شخص کو اب "**نبی**" بنایا جا رہا ہو، یا اسرائیل کے باہر کوئی شخص نبی بن سکتا ہو ❌

یہاں ایک اہم اور چبھتا ہوا سوال اُبھر کر سامنے آ جاتا ہے کہ: جب قرآن، منصبِ نبوت کو صریح طور پر بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص و مختص بتاتا ہے تو پھر کسی غیرِ اسرائیلی شخصیت "محمد ابن عبد اللہ" کا مقام و مرتبہ اس الکتابی نظام میں آخر کہاں ہے؟ غیرِ اسرائیلی ہونے کے باوجود "محمد ابن عبد اللہ الہاشمی" کو اگر نبی مانا جا سکتا ہے تو پھر مسیلمہ حبیب الحنفی، بہاء اللہ الایرانی، غلام احمد القادیانی کے دعویٰ نبوت کا انکار بھلا کس بنیاد پر کیا جا تا رہا؟؟؟

- 🔻 **خلاصۂ نکات** 🔻

موروثی روایتی دعویٰ	**الکتاب کے اصل نصوص**
نبوت ← بنی اسماعیل (بنا کسی کتابی ثبوت کے)	نبوت ← صرف بنی اسرائیل (45:16)
نسب ← قریش، مکہ، عرب	ابراہیمی وراثت ← اسحاق اور یعقوب
احادیث اور سیرت ہی اصل مآخذ	وحی کی کتابیں ← تورات، انجیل
مکہ اور عرب ← صرف اجمال	اسرائیلی تاریخ ← پوری تفصیل کے ساتھ

Prophets and Their Regions

Prophet	Region	Notes
Adam	Mesopotamia (general ancient Near East)	First human; universal patriarch
Idris (Enoch)	Mesopotamia / possibly Egypt	Pre-Israelite patriarch
Nuh (Noah)	Mesopotamia (Iraq region)	Early Near Eastern patriarch
Hud	Southern Levant / Northwest Arabia fringe	Interpreted non-Meccan mission
Salih	Southern Levant / Nabataean region	Not linked to Hijaz in this model
Ibrahim (Abraham)	Canaan / Hebron / Jerusalem region	No mission & no travel to Mecca
Isma'il (Ishmael)	Canaan / Hebron	Stays with Ibrahim; no Arab settlement
Ishaq (Isaac)	Canaan (Palestine)	Father of Israelite line
Ya'qub (Jacob)	Canaan / Egypt	Israelite patriarch
Yusuf (Joseph)	Egypt	Israelite lineage
Ayyub (Job)	Hauran / Northern Jordan	Regional prophet
Shu'ayb	Northern Arabia / Levant	Sent to Midian, not Mecca
Musa (Moses)	Egypt → Sinai → Canaan	Law-giver of Bani Israel
Harun (Aaron)	Egypt → Sinai → Canaan	Priest-prophet
Yunus (Jonah)	Nineveh (Iraq)	Gentile mission but within biblical sphere
Dawud (David)	Jerusalem	Israelite king-prophet
Sulaiman (Solomon)	Jerusalem	Israelite king-prophet
Ilyas (Elijah)	Northern Palestine / Lebanon	Biblical prophet
Al-Yasa' (Elisha)	Palestine	Successor of Elijah
Zakariyya (Zechariah)	Jerusalem	Temple priest
Yahya (John)	Jerusalem / Jordan Valley	Forerunner of Jesus
Esa ܝܫܘܥ ibn Maryam	Palestine	**Final Seal of the Prophets**

Qur'an 45:16, 29:27, 57:27, 5:46, 5:20, 26:59,17:2 exclusively granted the prophethood النبوّة and the Book الكتاب to Israelites only, so, after Esa ܝܫܘܥ ibn Maryam, whether it be Muhammad ibn Abdullah or Ghulam Ahmad Qadiani, all such claims are Qur'anically invalid!

📘 حصۂ دوم — شق (2): "أَطِيعُوا الرَّسُولَ" — اس حکم کا کتابی مخاطب کون؟

(Who is "the Messenger" in "Obey the Messenger" verses?)

الکتاب میں بار بار آنے والا ایک حکم ہے: أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ یعنی اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو

یہ جملہ، مُروّجہ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔ مگر یہاں دو اہم **تحقیقاتی نکتے** سامنے آتے ہیں:

لفظ "الرسول" تو ایک عنوان ہے — کوئی شخصی نام تو نہیں 1

قرآن میں: "الرسول" ہمیشہ بطورِ عہدہ/منصب استعمال ہُوا ہے، کبھی بھی کسی شخص کی ذاتی شناخت کے طور پر نہیں! مثلاً:

- الرَّسُولُ - رسولُ اللهِ ، — ایک منصبی کردار، نا کہ کوئی شخصی نام؟

جیسا کہ: **المسیح-النبی-الامام** وغیرہ۔ یہ سب منصبی ٹائیٹل ہیں، کوئی شخصی آئیڈنٹی ٹی نہیں!

قرآن، اطاعت کا حکم ہمیشہ الکتاب ہی کے ساتھ جوڑتا ہے 2

— ہر جگہ جہاں "اطاعتِ رسول" کا ذکر آیا ہے ساتھ میں **الکتاب کی اطاعت** بھی لازم قرار دے دی گئی ہے، مثلاً:

اتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ غیرِ کتابی اتھارٹی کی صریح نفی (7:3) وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ اتباع کا واحد مرکز: الکتاب (6:155) اتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ اتباع = وحی، کوئی ثانوی مأخذ مذکور ہی نہیں (6:106) قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِن تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ رسول خود بھی: **صرف وحی کا تابع** ہوتا ہے (10:15) وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ اتباع = نازل شدہ متن، اور معیار بھی کتاب کے اندر (39:55) إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ رسول کا اپنا منصب: تابعِ وحی، نا کہ شارعِ مستقل؟ (6:50) وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ اتباع، مربوط ہے صرف وحی سے، کوئی ثانوی مأخذ مذکور ہی نہیں (33:2) ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا شریعت = متعین اور وحی کے طور پر نازل شدہ نظام (45:18) إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ بار بار تکرار بطورِ اصول و ضابطہ (46:9)

حاصلِ استنباط:

1. "قرآن میں **اتباع، ہمیشہ "ماأنزل/وحی/کتاب** کے ساتھ ہی مشروط و مقید ہے
2. **کسی بھی جگہ** غیرِ کتابی اقوال، بعد کی روایات، یا مستقل شخصی اتھارٹی کی اطاعت کا حکم نہیں دیا گیا
3. خود رسول کا کردار بھی: **تابعِ وحی ← مبلغِ کتاب ← غیرِ مختارِ تشریع** ہے
4. لہٰذا "**اطاعتِ رسول**" کا قرآنی مفہوم: بحیثیتِ رسول، **یعنی کتاب پہنچانے والے کی اطاعت ہے۔ نا کہ رسول کے نام سے منسوب کردہ، بہت بعد میں تشکیل دی گئی غیرِ کتابی ذخیرے کی اطاعت؟**

قرآن کے اندر، رسول کی اطاعت، کن آیات میں عیسیٰ = ﷺ سے مربوط اور متعین ہے؟ 3

قرآن، کئی مقامات پر اطاعت کا ربط، باضابطہ طور پر انجیل اور عیسیٰ ابن مریم سے جوڑتا ہے:

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ --- وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ (5:46)

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ - وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ (57:27)

- رسول = وہ، جو **کتاب** لاتا ہو یعنی قرآن کے مطابق: کتاب = توراۃ + انجیل، یہ ربط **سیاسی طور پر نہیں**، بلکہ خالص **متنی طور پر** قائم ہوتا ہے!

کسی "عربی/غیرِ اسرائیلی رسول" کا معرفہ نام یا شناخت، اطاعت کی آیات میں کہیں بھی نہیں 4

نہ محمد ابن عبداللہ، نہ قریش، نہ بنوہاشم، نہ بنو اسماعیل، نہ مکہ، نہ مدینہ، نہ حجاز۔ ان میں سے کسی کا بھی ذکر **اطاعت کے حکم** میں سرے سے نہیں پایا جاتا!

نتیجہ — تحقیقی سوال کی صورت میں 🔍

قرآن "**اطاعتِ رسول**" کے حکم کو ہمیشہ **کتاب اور سابقہ نبوت کے نظام** سے مربوط و منسلک رکھتا ہے، اور کسی مخصوص معاصر عربی نبی کی ذاتی اطاعت کا براہِ راست ذکر **سامنے لاتا ہی نہیں**۔ اسی لیے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ: **قرآن کے اندر "الرسول" کا کردار کیا** شخصی اطاعت ہے؟ یا رسالۃ کتاب کی اطاعت؟

📌 خلاصہ جدول 📌

موروثی/روایتی خود فہمی	قرآنی طرزِ وضاحت و تفصیل
اطاعت = شخصی اطاعت	اطاعت = الکتاب/وحی کی اطاعت
الرسول = خاص عربی نبی	الرسول = منصب/عنوانِ رسالت
صراحت = محمد ابن عبداللہ	صراحت: عیسیٰ = معھد + انجیل کی اطاعت
Name central in theology	Name absent from command

📘 حصۂ دوم — شق (3) لفظ "محمد" — توصیفی لقب یا کسی شخصیت کا معرفہ نام؟

قرآن کے مدنی مجموعے میں لفظِ "محمد" صرف چار جگہ وارد کِیا گیا ہے 1

استعمال کی نوعیت	آیت	مقام
صرف ایک رسول، **بطورِ کردار**	وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ	3:144
"**اجنبی نسبت**" ← "کسی کا باپ نہیں	مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ	33:40
صرف منصب سے متعلق	أُنْزِلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ	47:2
ایک تجیدی لقب	مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ	48:29

نکتہ رس مشاہدات 🔍

ہر مقام پر لفظِ "محمد" شخصِ ثالث، یعنی غیر حاضر، غیر مخاطب، ماضی کے صیغوں اور غائب کی ضمیروں ہی میں پایا گیا ہے 2

نہ براہِ راست خطاب۔ نہ کوئی مکالمہ۔ نہ کوئی ذاتی تفصیل۔ کوئی "یا محمد" نہیں۔ کوئی "قل یا محمد" نہیں۔ کوئی "اے نبی محمد" نہیں!

قرآن میں "محمد بن عبداللہ" کا تعارف یا شناسائی حیرتناک حد تک غائب اور مفقود ہے!

- نہ جائے پیدائش۔ نہ قبیلہ۔ نہ تاریخ۔ نہ قوم، نہ کوئی سیرت اور نہ زندگی کے سانحات

جبکہ دنیا کے دیگر بڑے مذہبی صحائف میں اپنے نبیوں، یا رِشی مُنیوں کا واضح، قابلِ شناخت اور تفصیلی تعارف موجود ہوتا ہے۔ چند نمایاں مثالیں:

- **تورات/عبرانی بائبل:** موسیٰ، ابراہیم، نوح، داؤد وغیرہ کا نسب، قوم، جغرافیہ، تاریخی پسِ منظر اور بڑے واقعات واضح طور پر بیان ہوتے ہیں۔

انجیل/عہدِ جدید: عیسیٰ کی ماں، مقامِ ولادت، نسب نامہ، زمانہ، تعلیمات، معجزات اور انجام، پوری صراحت کے ساتھ درج ہیں۔

ہندو صحائف (وید، مہابھارت، رامائن): رِشی مُنیوں اور اَوتاروں کے نام، خاندان، اساتذہ، شاگرد، جغرافیہ اور داستانی-تاریخی سیاق موجود ہے۔

بدھ مت کے متون: سدھارتھ گوتم (بدھ) کا خاندان، مقامِ پیدائش، ترکِ دنیا، تعلیم اور وفات واضح طور پر بیان کی جاتی ہے۔

زرتشت مت (اوستا): زرتشت کا تعارف، دعوت، مخالفین، اخلاقی تعلیمات اور تاریخی-جغرافیائی پسِ منظر روایتی متون اور بعد کی توضیحات بھی ملتی ہیں۔

جین مت (آگم/کلپسوتر): مہاویر اور دیگر تیر تھنکروں کے نام، نسب، زمانہ، ترکِ دنیا اور تعلیمات واضح انداز میں محفوظ ہیں۔

سکھ مت (گرو گرنتھ صاحب + جنم ساکھیاں): گرونانک اور بعد کے گروؤں کی شناخت، اسفار، تعلیمات اور تاریخی سیاق موجود ہے۔

کنفیوشس روایت: کنفیوشس کی تعلیمات کے ساتھ ان کی شخصیت، شاگرد، زمانہ اور حالاتِ زندگی قدیم تاریخی ریکارڈ میں درج ہیں۔

تاؤ مت: لاؤ تزے کی شخصیت، نسبت اور فکری سیاق کم از کم قابلِ شناخت صورت میں موجود ہے (اگرچہ اسلوب مختصر ہے)۔

مانوی مذہبی متون: مانی کا تعارف، اسفار، تعلیمات اور تاریخی ماحول قدیم مخطوطات میں تفصیل سے ملتا ہے۔

یہودی ربانی ادب (مشناۃ تلمود): ربّیوں کی شناخت، اساتذہ-شاگردی سلسلے، مقامات اور اَدوار تفصیل سے محفوظ ہیں۔

یونانی فلسفیانہ متون (مثلاً افلاطون کے مکالمات): سقراط کی شخصیت، مکالماتی اسلوب، شاگرد اور ایتھنز کا سیاق واضح ہے (اگرچہ یہ مذہبی متون نہیں، مگر متنیاتی روایت میں تعارف کی مثال ہیں)۔

نتیجہ اور خلاصہ: دنیا کی بیشتر بڑی مذہبی اور فکری روایتوں میں اپنی مرکزی شخصیات کا نام، شناخت، سیاق، اور کسی نہ کسی درجے میں تاریخی تعارف و شناسائی موجود ہے۔ یہ ایک عمومی اور ہزاروں سال سے چلی آ رہی متنی روایت رہی ہے — جس میں کوئی استثناء نہیں۔

ازرُوئے لغت، لفظِ "محمد" کے معنیٰ: 3

مُحَمَّد = بہت زیادہ تعریف کیا گیا (Highly-Praised / The Praised One)

یہ ایک **توصیفی لقب** ہے، کسی کا شخصی نام نہیں!

- اسی مادّہ سے: أحمد = زیادہ تعریف کیا گیا ۔۔۔ **محمود** = تعریف کے لائق

مسیحی-سریانی لٹریچر میں یہ لفظ "ܥܝܣ = یسوع" کے توصیفی لقب کے طور پر استعمال ہوتا رہا ہے 4

Syriac Hymns & Liturgies میں عیسیٰ/یسوع کیلئے (Muḥammadā) ܡܚܡܕܐ یعنی "Most Praised" قدیم متون میں یہ **Messiah Title تھا۔ تاریخ میں کہا جاتا ہے کہ حضرت یسوع کی مادری زبان سریانی تھی جو کہ اُس زمان و مکان میں ایک ترقی یافتہ لغت کہلاتی تھی، اور جس علاقے میں پروٹو قریان یا مکی قرآن کا ظہور ہُوا، وہ علاقہ بھی دراصل سریانی ہی تھا۔ سریانی زبان میں جب لفظِ یسوع یعنی Jesus کو لکھا جائے گا تو اُس کی معرّب شکل ہُو بہو اِس جیسی "ܥܝܣ" یعنی بالکل عربی زبان کے لفظِ "محمد" کے مانند ہوگی۔ خُلاصۃ کلام یہ ہے کہ "ܥܝܣ" کوئی اَور تھا مگر "محمد" بنا دیا گیا کسی اَور کو ۔۔۔ یا للعجب!!!**

قرآن میں عیسیٰ = ܥܝܣ کو کثافتِ نصوص کے ساتھ سب سے زیادہ اور جداگانہ اسلوب میں تعریف یافتہ قرار دیا گیا ہے:

عیسیٰ کی شخصیت کا اولین اور سب سے گہرا تعارف کسی دعویٰ نبوت، کسی معجزے، یا کسی منصب سے نہیں

بلکہ ایک مظلوم اور پاک دامن ماں کے حق میں اخلاقی گواہی دینے سے شروع ہوتا ہے۔

وَبَرًّا بِوَالِدَتِي (19:32) یہ محض اطاعت یا حسنِ سلوک کا اظہار نہیں، بلکہ ایک ایسے سماجی اور اخلاقی موقف کا اعلان ہے جس میں ایک بیٹا، اپنی ستم رسیدہ ماں کے کردار، ناموس اور حق کے لیے پورے معاشرے کے سامنے خدائی گواہی بن کر کھڑا ہو جاتا ہے۔

وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا (19:32) یہ جملہ محض ذاتی انکسار نہیں، بلکہ طاقت، منصب اور نبوت کے اُس تصور کی نفی ہے جس میں سب سے پہلے لطیف رشتہ — ماں — کو قربان کر دیا جائے۔ یوں عیسیٰ کی نبوت کا آغاز کسی اقتدار کے اعلان سے نہیں بلکہ ظلم کے خلاف انکار سے ہوتا ہے، کسی دعوے سے نہیں بلکہ ایک مظلوم خاتون کے دفاع سے ہوتا ہے۔ یہ آیت دراصل ایک نبی کی نہیں، بلکہ ایک مظلوم و معصوم ماں

کے حق میں اٹھنے والی پہلی، آخری اور قطعی شہادت ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں عیسیٰ کا اخلاقی پروفائل، نبوت، معجزہ اور رسالت —— سب پر مقدم ہوجاتا ہے۔ قرآن کے نزدیک، جو اپنی ماں کے حق میں جابر نہیں، وہی خدا کے حق میں امین ہو سکتا ہے۔

ذَٰلِكَ عِيسَى ٱبْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ ٱلْحَقِّ ٱلَّذِى فِيهِ يَمْتَرُونَ • (19:34)

النبوة و الکتاب صرف بنی اسرائیل کا خاصہ، اور عیسیٰ = معہد بنی اسرائیل کے حتمی اور آخری رسول • (45:16) (29:27) (3:55)

روح اللہ • (4:171)

مرفوعٌ الی اللہ • (4:157) (3:55)

اللہ کی رحمت • (19:21)

کلمۃ اللہ • (4:171)

متعدد آیاتِ بیّنات سے نوازے گئے • (2:87)

عبداللہ، اپنی عجز و انکساری کا اعلیٰ اعتراف • (19:30)

عیسیٰ، قبل از قیامت ایک حتمی معیارِ ایمان ہوں گے، ان پر ایمان یا انکار، نجات یا ہلاکت سے جُڑا ہے

ان کا یہ کردار، شفاعت سے بھی کہیں زیادہ زیادہ **فیصلہ کُن** ہے • (4:159)

جس کا معرفہ نام توراۃ اور انجیل میں لکھا ہُوا پایا گیا • (3:50)

شریعت میں تخفیف + اخلاقی اصلاح پر زور • (7:157)

اللہ کے قریب ترین • (3:45)

روح القدس کے ذریعے خصوصی تائید • (2:87) (2:253) (5:110)

اقویٰ ترین اختیارات کے باوجود + عجز و انکسارانہ عبودیت • (3:49)

اس کا جینا مَرنا اور زندہ اُٹھایا جانا، سب کچھ باعثِ سلامتی • (19:33)

توراۃ کے مصدّق • (61:6)

ہر موقع و مقام پر مبارک • (19:31)

قبل از ولادت تا رِفعتِ اِلی اللہ، تمام تر مراحل، مافوق العادات • (19:33) (66:12)

آیۃً للناس • (19:21)

مسیحائے انسانیت • (4:171)

صالح شمار کیے جانے والی شخصیت • (4:171)

وجیھاً فی الدنیا والآخرۃ • (3:45)

نیکی کی تصدیق کرنے والے • (92:6)

الرسول النبی الاُمّی۔۔۔ الاُمّی کے اصل معنی ہیں ایک خاص ماں سے منسوب کیا جانے والا نبی • (7:157)

تمام لوگوں کے لئے ایک عالمگیر رسول • (7:158)

ولادت بذریعۂ امرِ الٰہی (کُن) • (19:20-21)

گہوارے میں بولنے والا • (3:46)

آغوشِ مادری ہی میں الکتاب اور النبوّۃ کے متحمل • (19:30)

نورٌ اُنزل معہ • (7:158)

عَبد، مُنعَم علیہ اور مثالی کردار • (43:59)

وانّہ لعلمٌ للساعۃ • (43:61)

بروزِ قیامت، آخری گواہ • (5:116-117)

انجیل کے حامل • (5:46) (57:27)

تمام علومِ سماویہ کے منفرد پیکر • (5:110)

الکتاب، الحکمت، التوراۃ، الانجیل کے خدا ساختہ معلّم • (3:48) (5:110)

الکتاب کے اندر مستند طور پر مُطاع • (43:63)

الکتاب، ھدایت ہے بنی اسرائیل کیلئے، اور عیسیٰ ان کیلئے ایک غیر معمولی مثال • (17:2) (43:59)

اطاعت کا مرکزی معیار • (43:64)

صرف انہی کی اطاعت کو قرآن میں، چار بار هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ سے تعبیر کیا گیا • (43:61) (43:64) (3:51) (19:36)

اُلوہی اَوصاف والے معجزات کے اجازت یافتہ مختار • (3:49)

عیسیٰ کے معجزات محض نشانی نہیں، بلکہ یہ زندگی اور تخلیق کے دائرے میں مداخلت کے مترادف ہے • (5:110)

تخلیق کرنا، نفخ کرنا، بیماروں کو شفا دینا، پیدائشی اندھوں کو بینائی دینا، مُردوں کو زندہ کرنا، غیب کی باتیں بتانا • (3:49) (5:110)

قیامت میں فعّال کردار: اللہ سے مرکزی مکالمہ، اپنی امّت پر گواہی، عقائد کی تطہیر • (5:116-117)

ایک ایسا مرکزی، معیاری اور اختتامی نبی جو اپنی محفوظ تعلیمات کے ذریعے، تا قیامت یاد رکھا جائے گا • (3:55)

ان کے پیروکار ہی شہادت یافتہ مسلمان کہلاتے ہیں • (5:111)

اور پھر، بالآخر، اِنہی کے پیروکاروں کا قیامت تک کیلئے فوقیت و غلبے کا الٰہی وعدہ • (3:55-57)

صاف مطلب یہ کہ عیسیٰ اور قیامت کے درمیان نہ کسی نئے نبی کا جواز ہے اور نہ کسی نئی اُمت کی کوئی گنجائش • (3:55)

مگر، پوری الکتاب کے اندر، عباسیوں کے پیش کردہ محمد ابن عبد اللہ کے نام کے ساتھ ایسی کوئی صفت، کوئی خصوصیت، کوئی کتاب، کوئی کمال، کوئی نداء، کوئی مکالمہ، کوئی مرکز، کوئی معجزہ، کوئی خطاب، کوئی نظیر، کوئی وعدہ کہیں موجود نہیں!

نیز، قرآن کے عیسیٰ ابن مریم اور روایت کے محمد ابن عبد اللہ کا اگر اخلاقی اور کرداری تقابل کیا جائے تو کئی نکات بڑے اہم اور قابلِ غور ہیں:

عیسیٰ = عہ کی شخصیت میں، عورت کو شہوت کا موضوع بنانے کا کوئی قرآنی اشارہ موجود ہی نہیں، بلکہ خاتون کی سب سے اعلیٰ، پاکیزہ اور مظلوم حیثیت خود ان کی اپنی والدۂ ماجدہ مریمؑ کے ذریعے موقعِ بیان بنتی ہے، عیسیٰ، عورت کو کوئی فتنہ نہیں کہتے بلکہ عورت کے حق میں خود گواہ بن کر سامنے آتے ہیں۔

قرآن میں عیسیٰ = عہ کی ذاتِ گرامی، کسی اِزدواجی، جنسی، شہوانی یا خاندانی کشمکش سے مکمل طور پر مُنزہ دِکھائی دیتی ہے۔

جنس واِزدواج سے یہ عدمِ تعلق، کوئی رہبانی طریقِ زندگی نہیں، بلکہ اخلاقی پاکیزگی اور مقصدی اِنہماک اور یکسوئی کی واضح ترین علامت ہے۔

عیسیٰ = عہ کے بارے میں کسی جنگ، قتال، خونریزی، شام وانتقام یا عناد و دشمنی کا کوئی ذکر قرآن میں نہیں پایا جاتا۔

قرآن میں ان سے منسوب پورا بیانیہ: شِفاء، اِحیاء، رحمت، رأفت، نصیحت، ہمدردی اور اخلاقی بیداری کے گرد گھومتا ہے۔

ان کا یہ عدمِ قتال و جدال، کوئی شخصی کمزوری نہیں بلکہ اعلیٰ ترین اخلاقی طاقت کا مثالی نمونہ ہے۔

قرآن میں عیسیٰ = عہ کسی فرد، قوم یا گروہ کے ساتھ ذاتی عناد یا نفرت میں مبتلا نہیں دکھائے گئے، حتیٰ کہ اختلاف کی صورت میں بھی ان کا کردار وضاحت، بیان اور حق کے اِعلانیے تک محدود رہتا ہے، نا کہ شخصی تصادم تک؟

اللہ کے مقرّب ترین اور قرآن کے سند یافتہ مُطاع ہونے کے باوجود، دنیاوی اقتدار، سلطنت، مال، غلبہ یا سیاسی کامیابی، عیسیٰ = عہ کے قرآنی پروفائل میں کہیں بھی موضوع نہیں بنتی۔ نہ تخت، نہ تاج، نہ خزانہ، نہ شہرت۔

یہ عدمِ طلب اور ایسی کسی خواہش کا نہ ہونا، قرآنی اصطلاح میں زہد و ورع اور فقر و استغناء کا ارفع ترین مقام ہے۔

ہر معجزہ، ہر اثر، ہر تاثیر، بار بار بِاِذْنِ اللهِ جیسے عالیشان فقرے کے ساتھ مشروط و موقوف کی گئی۔

یہ اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ: عیسیٰ = عہ اپنی ذات کو کبھی بھی مرکز نہیں بناتے، بلکہ مرکز تو ہمیشہ "اللہ" ہی رہتا ہے،

ان کی زبان، کوئی دعویٰ نہیں، بلکہ عبدیت و عبودیت کی عمدہ اور جامع مثال ہے، ان کا اوّلین تعارف ہی "عَبدُاللہ" کے انکسارانہ عنوان سے ہوتا ہے، جو کسی بھی نبی کے لیے بلند ترین اور سب سے محفوظ مقام ہے۔

عیسیٰ = عہ نہ تو جبار ہیں، نہ شقی ہیں، نہ متکبّر ہیں نہ سخت گیر۔

یہ نفی خود قرآن نے کی ہے، اور اس نفی کے ذریعے ایک نبی کے اخلاقی تواضع کی حد بندی قائم کر دی گئی۔

ان کی موجودگی، طاقت و جبروت پیدا نہیں کرتی بلکہ برکت وسعادت پیدا کرتی ہے۔

وہ جہاں بھی ہوں، وہاں خیر، نعمت، نرمی اور اخلاقی تاثیر نشوونما پاتی ہے۔

یہ تمام ستودہ صفات مِل کر عیسیٰ = عہ کو ایک ایسا قرآنی "اُسوۂ حسنہ" بنا دیتی ہیں جو نہ صرف نبوت، بلکہ عالَمِ انسانیت کے لئے اخلاقی معیار و پیمانے کا بھی اعلیٰ ترین مظہر ہے۔

ایک عمومی اعتراض: مسلمان یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ نے تو شادی ہی نہیں کی اس لئے ان کے مَردانہ کمال میں ایک نقص رہ گیا، جبکہ حضرت محمد ﷺ نے متعدد شادیاں بھی کیں اور باقاعدہ ایک اِزدواجی زندگی بھی گزاری، لہٰذا حضرت محمد ﷺ ایک مکمل اور مثالی شخصیت ہیں۔

اس کا علمی اور اصولی جواب: یہ اعتراض دراصل اخلاقی کمال کے معیار اور انسانی تکمیل کے مفہوم کو خلط ملط کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔

اس کا دوٹوک مگر دائرۂ ادب میں رہتا ہُوا جواب: سب سے پہلے یہ اصول واضح ہونا چاہیئے کہ قرآن نے کہیں بھی ازدواجی زندگی کو نبوت یا اخلاقی کمال کا لازمی پیمانہ قرار نہیں دیا۔

قرآن میں کسی نبی کی فضیلت یا اہمیت اس کی اِزدواجی حیثیت سے نہیں، بلکہ اس کی عبدیت، اطاعتِ الٰہی، تزکیۂ نفس، اَخلاق و اَطوار اور امانتِ وحی سے ناپی گئی ہے، اگر شادیاں، مَردانہ کمال یا انسانی تکمیل کا لازمی جُزء ہوتی تو قرآن میں عیسیٰ = معہد کی شخصیت کبھی ایک کامل، مُطاع، مرکزی اور منتخب رسول کے طور پر پیش ہی نہیں کی جاتی۔

قرآن، عیسیٰ = معہد کی نبوت و رسالت کو پورے صراحتی وزن کے ساتھ نہ صرف یہ کہ ثابت کرتا ہے، بلکہ انہیں کلمتُ اللہ، روحٌ منہ، آیتُ للناس، اور ھٰذا صراط مستقیم کی بے مِثل تعیین سے چار بار جوڑ دیتا ہے۔

یہ تمام اوصافِ حمیدہ کسی بھی اخلاقی یا روحانی نقص کے امکان کو خود بخود مسترد کر دیتے ہیں۔

یہ کہنا کہ عیسیٰ = معہد کے مَردانہ کمال میں شادی نہ کرنے کی وجہ سے کوئی نقص رہ گیا، در حقیقت، قرآنی معیارِ فضیلت کے اوپر، بعد کی تشکیل کردہ ثقافتی اور سماجی اَقدار مسلط کرنے کے مترادف ہے۔

قرآن میں عیسیٰ = معہد کا غیر شادی شدہ ہونا، کسی سُقم یا ناتمامی کے طور پر نہیں بلکہ ان کی غیر معمولی مقصدی یکسوئیت، دنیاوی مَیلانات سے بے رغبتی اور مکمل اِنہماک بر رِسالت کی فائق ترین علامت کے طور پر سامنے آتا ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ: قرآن نے سنیاس و رہبانیت کو ایک انسانی ایجادِ کہا ہے، لیکن عیسیٰ = معہد پر اُسے کہیں بھی عائد نہیں کیا۔ ان کی غیر ازدواجی زندگی، نہ تو فرارِ دنیا تھی اور نہ جسم دشمنی تھی، بلکہ ایک مخصوص و متعین الٰہی منصوبے کے تقاضوں کا حصہ تھی۔

مزید یہ کہ: کثرتِ اِزدواج، انسانی یا اخلاقی تکمیل کا اگر شرطیہ پیمانہ ہوتی تو قرآن کو اسے بطورِ معیار کہیں نہ کہیں بیان ضرور کر دینا چاہئے تھا، جبکہ ایسا کوئی معیار قرآنی متون میں سرے سے موجود نہیں۔

لھٰذا: ایک نبی کی عظمت و برتری اس بات سے طے نہیں ہوتی کہ اُس نے شادیاں کتنی کی ہیں، بلکہ اس بات سے طے ہوتی ہے کہ اس نے "وحی" کو کیسے سنبھالا، اخلاق و کردار کو کیسے مجسم کِیا، اور اللہ کے سامنے کس درجے کی عبدیت اختیار کی۔

اسی لیے: قرآن کے اپنے بیانیے میں عیسیٰ = معہد کی غیر ازدواجی زندگی، کوئی کھوٹ یا ادھورا پن نہیں بلکہ ان کی شخصیت کی غیر معمولی نُدرت اور مقصدی انہماک اور استقلال کا خصوصی حصہ ہے۔

چنانچہ: محض اس پیمانے پر ایک عظیم اور برگزیدہ نبی کو ناقص اور دوسرے شخص کو کامل سمجھنا، نہ تو قرآنی منطق ہے اور نہ کوئی علمی استدلال، بلکہ یہ طرزِ فکر اصل میں، بعد کے خودساختہ سماجی تصورات کو معیارِ قرآنی کے اوپر فوقیت دینے کے مترادف ہے۔

◆ خلاصۂ جدول ◆

موضوع	محمد "بطورِ لقب"	محمد بن عبداللہ "بطورِ معرفہ نام"
الکتاب	موجود→تعریف یافتہ رسول ✓	عدمِ ذکر ✗
سیاق	کتابی/رسالی کردار	سیرتی/تاریخی کردار
لسانیات	Syriac praise-title	عربی ذاتی اسم
آثارِ قدیمہ	praise-title inscriptions	Mecca/Abdullah link absent

تقابلی جدول: عیسیٰ بمقابلہ ابراہیم، موسیٰ، لفظِ محمد (Qur'anic text-only comparison)

معیارات	عیسیٰ	محمد (لفظ)	موسیٰ	ابراہیم
پیدائش کا تفصیلی بیان	✓	✗	✗	✗
منفرد اور خصوصی ماں کا نام	✓	✗	✗	✗
ontological titles	✓	✗	✗	✗
پیدائش پر نبوت و کتاب	✓	✗	✗	✗
تخلیقی اور حیاتی معجزات	✓	✗	✗	✗
اطاعت=صراطِ مستقیم	✓	✗	✗	✗
قیامت میں فعّال ترین کردار	✓	✗	✗	✗
متبعین کے غلبے کا الٰہی وعدہ	✓ (3:55)	✗	✗	✗

یہ جامع تقابلی جدول خود بخود فیصلہ سنا دیتا ہے!

نتیجہ: (تحقیقی سوال) 🔍

قرآن،اس جانب رہنمائی کرتا ہے کہ لفظِ "محمد" ایک تجیدی لقب ہے،نا کہ کسی ایسے تاریخی فرد کا **واضح شخصی نام** جس کی سیرت قرآن خود بیان کرے؟

صرف قرآن کی بنیاد پر: **"محمد رسولُ اللہ" Highly Praised Messenger of Allah** یہ کردار قرآن میں واضح ہے!

لیکن: "محمد ابن عبداللہ" کا = ایک شخصی شناخت کے طور پر قرآن کے اندر سرے سے کہیں کوئی ثبوت نہیں مِلتا →

📘 حصۂ دوم—شق (4): آثارِ قدیمہ میں لفظِ "محمد"، ایک لقب ہے یا شخصی نام؟

(Early Islamic Coins & Inscriptions: A Historical Trace of "Muḥammad")

◆ پہلی صدی ہجری کے شواہد—ایک جدولی خلاصہ ◆

مشاہدات	عبارت میں "محمد"	تاریخ	حوالے
لفظ "محمد" موجود نہیں	Absent غیر موجود	660s CE	رومی–عربی سکے (عہدِ معاویہ)
لقب کی حیثیت نمایاں	"Muḥammad Rasūl Allāh"	690s CE	عبدالملک بن مروان کے سکے
Jesus-related verses dominate	مسیحیات پر مبنی آیات کے ساتھ لفظِ "محمد"	691–692 CE	قبة الصخرة (Dome of the Rock)
عباسی شناخت کی مضبوط پیش کش	"La ilaha illallah, Muḥammad Rasūl Allāh"	700s CE	اُموی سکّہ اصلاحات

1 Dome of the Rock — تاریخی طور پر سب سے قدیم اور مضبوط ترین شہادت

یہ اہم ترین ثبوت ہے۔ آیات: مریم 19، النساء 171–172، آلِ عمران 3:18 سارے کا سارا نص عیسیٰ ابن مریم پر ہی مرکوز ہے!

اسی عبارت کے درمیان مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ بھی لکھا ہے لیکن: یہ صرف **تجیدی لقب** کے طور پر آیا ہے،کوئی شخصی،سیرتی یا جغرافیائی حوالہ نہیں۔

2 "Muḥammad" → Praise-title ابتدائی سکّوں میں

Donner, Hoyland, Crone جیسے متعدد ماہرینِ تاریخ اور آثارِ قدیمہ نے یہ مشاہدات درج کیے ہیں کہ:

شروعاتی زمانہ میں یہ ایک **رسالی عنوان تھا** "Muḥammad" ناکہ کسی مخصوص فرد کا **شاختی یا معرفہ نام؟**

اہم ترین مشاہدہ 🔍

ڈوم آف دی راک کا سٹرکچر یہ کہتا ہے کہ: (المسیح) Jesus = Messiah (Highly Praised) رسول اللہ = Muḥammad

یعنی: **Jesus son of Mary** ایک شخصی شناخت، اور **Muḥammad = The Praised** ایک تجیدی لقب، یہ دو الگ **semantic zones** ہیں۔

- 3 Earliest Christian–Syriac texts

سریانی مسیحی ترانوں اور مناجاتی نغموں میں یہ "ܡܚܡܕܐ / Muḥammadā" عیسیٰ/یسوع کے لئے ایک تجیدی اور اعزازی لقب رہا ہے

The Blessed One, The Highly Praised One یعنی علمی طور پر قوی امکان موجود ہے کہ: لفظِ **"محمد"** ایک مسیحی ٹائیٹل ہو۔

غیر جذباتی، خالص علمی اور تاریخی ماحصل: ◆

آثارِ قدیمہ ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ لفظِ **"محمد"** کی شناخت، ابتداء میں غیر شخصی تھی، اور سریانی ترانوں میں یہ تعریفی لقب کے طور پر استعمال ہُوا کرتا تھا۔

یہ ایک پائندہ ترین ثبوت ہے: جو کہ قرآن کی لسانیات، تاریخی خط و کتابت نیز اُمویوں کی سیاست اور انکی حکمتِ عملی، **سبھی سے ہم آہنگ** نظر آتا ہے۔

اِس تحقیق کے بعد مزید ایک اہم سوال سامنے آتا ہے: 🔍

اگر قرآن **کسی زندہ عربی نبی** کا واضح تعارف نہیں دیتا اور آثارِ قدیمہ لفظِ **محمد** کو تعریفی/تجیدی لقب کے طور پر دِکھاتے ہیں تو:

عباسیوں کی سرپرستی میں تشکیل دی گئی سیرت، مغازی اور تاریخ نے جو **ذاتی، جغرافیائی اور خاندانی** پہچان متعین کروائی، اس کی بنیاد آخر **کہاں ہے؟**

اور یہی سوال اگلے حصوں کا کلیدی نقطۂ تنقیح بنے گا ✓

📘 حصۂ دوم — شق (5): لفظِ "أَحْمَدُ" — کتابی اور لسانی تحقیق

(The Term "Aḥmad" in Qur'anic Linguistic Context)

◇ **صرف ایک جگہ** (Single occurrence)

الکتاب کی سورۃ الصف کی آیت 6 میں لفظِ "أَحْمَدُ" صرف ایک جگہ آیا ہے —

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ عیسیٰ فرماتے ہیں: میرے بعد ایک رسول آئے گا جس کا وصف ہو گا أَحْمَدُ

یہاں چند **غور طلب نکات** سامنے آتے ہیں:

1 ازروئے لغت، لفظِ أَحْمَدُ کے معنی کیا ہیں؟

- مادہ ح م د یعنی زیادہ تعریف کیا گیا/زیادہ ستودہ صفات
- أَحْمَدُ = سب سے زیادہ ستودہ۔ محمّدٌ = **بہت زیادہ ستودہ**۔ دونوں ہی **وصف یا صفات** ہیں، ناکہ لازماً کسی عربی شخص کا معرفہ نام؟

قرآن کے اندر عیسیٰ = علیہ السلام ہی سب سے زیادہ ستودہ صفات اور تعریف یافتہ شخصیت ہیں 2

چند واضح مثالیں:

- **عبدِ صالح/ بندۂ کامل:** عیسیٰ = علیہ السلام کو بندگی کے اعلیٰ ترین نمونے کے طور پر پیش کیا گیا — دعویٰ الوہیت کی صریح نفی کے ساتھ۔

تزکیہ اور اخلاقی اِصلاح کا محوَر: شریعت کے ساتھ تزکیۂ نفس اور باطنی اصلاح پر خصوصی زور۔

رحمت ورأفت اور نرمی کی دعوت: سختی کے بالمقابل، رحمت، رأفت، عفو اور شفقت ان کی تعلیم کا مرکزی اور محوری پہلو ہے۔

- **وحی کا مجسّد مفہوم : كَلِمَةٌ مِّنَ اللَّهِ** عیسیٰ کو دیگر نبیوں کی طرح محض "وحی پانے والا" نہیں بلکہ **خود وحی کی علامتی تجسیم** کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔
- **إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ :** یہ وصف انہیں **پیغام اور پیغام بر** کے بیچ ایک منفرد مقام دیتا ہے۔

رُوحٌ مِّنْهُ روحانی نسبت، نا کہ اُلوہیت؟: یہ نسبت **تکریمی** ہے، الوہیت کی تجسیم نہیں، یعنی عیسیٰ = علیہ السلام روحانیت، حیاتِ معنوی اور احیاءِ قلوب کا ایک پیکرِ مجسم اور بے نظیر استعارہ بن جاتے ہیں۔

- **وَجَعَلْنَاهُ آيَةً لِّلنَّاسِ:** صرف بنی اسرائیل نہیں، بلکہ انسانیت کے لیے، عیسیٰ = علیہ السلام کو کسی ایک قوم تک محدود نہیں رکھا گیا، یہاں وہ **عالمی، اخلاقی اور روحانی نشان** بن کر سامنے آتے ہیں۔
- **وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ:** شریعت سے بالاتر اخلاقی بصیرت یعنی عیسیٰ = علیہ السلام کو "کتاب، حکمت، توراۃ، انجیل" کے ساتھ جوڑا گیا، مطلب یہ کہ قانون کے ساتھ روحِ قانون جو محض فقہ نہیں، بلکہ ضمیر کی تطہیر ہے۔
- **حق کا دِفاع، معجزہ بطورِ اخلاق، کلام فی المہد:** ماں کی گود میں کلام کرنا محض خرقِ عادت نہیں بلکہ مظلوم اور پاک دامن ماں کا دفاع کرنا، الزام کے بالمقابل سچ بولنا، اخلاقی جرءتمندی کی ابتدائی مثال قائم کرنا۔
- **علمِ غیب (باذنِ اللہ) باطن شناسی، نا کہ ذاتی اقتدار؟:** لوگوں کے گھروں میں کیا ہے بتانا، یہ کوئی سیاسی جاسوسی نہیں بلکہ اخلاقی بیداری کا ذریعہ ہے۔
- **وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ :** قیامت میں کردار **"شاهد عليهم"** وہ **حاکم نہیں، گواہ ہیں** اور یہ عدل کی اعلیٰ ترین اخلاقیات ہے۔
- **وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ: جہاں کہیں بھی ہوں، خیر کا منبع اور مبارک حیثیت،** عیسیٰ کی موجودگی **طاقت نہیں، برکت پیدا کرتی ہے۔**
- **صلاۃ و زکوٰۃ پر زور، اجتماعی اخلاق کی بنیاد:** عبادت + سماجی ذمہ داری، یہ توازن اُنہیں محض صوفی یا محض شارع بننے سے بچاتا ہے۔
- **کامل عبودیت — دعاء، انکسار، نسبتِ اِذن:** ہر معجزہ، ہر عمل، ہر تاثیر بإذنِ الله، یہ فقرہ عیسیٰ کی سب سے **بڑی جمالیات** ہے۔
- **زُہد اور دنیا سے بے رغبتی:** دنیاوی اقتدار یا مادی غلبہ نہیں، بلکہ روحانی معیار کو ترجیح و فوقیت۔
- **عورت اور شہوت سے بالکل بے نیاز:** یعنی ایک پاکیزہ ترین مجسمِ روحانی
- **اپنے دشمنوں اور قاتلوں کو معافی و درگزر:** اخلاقیات کا یہ بھی ایک بے نظیر نمونہ
- **اختلافات کی تصحیح:** بنی اسرائیل کے باہمی اختلافات میں حَکَم/ فیصل کی حیثیت۔

- **اتباعِ وحی کی جلیل القدر مثال:** ہر معجزہ اور ہر عمل کو صراحتاً اذنِ الٰہی سے مشروط کیا گیا—یہ ان کی شانِ عبودیت کو مزید نمایاں کرتا ہے۔

آخری زمانے سے تعلق (اسکاٹولوجیکل کردار): قیامت کے قریب ایک علامتی/علمی نشانی کے طور پر باضابطہ تذکرہ۔

اُمّتِ مُسلمہ کیلئے معیارِ اطاعت: صرف عیسیٰ علیہ السلام کی اطاعت و اتباع کو الکتاب میں بار بار هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ سے تعبیر کیا گیا، یہ ایک بالکل منفرد، خصوصی اور امتیازی رتبہ ہے۔

- **جامع خلاصہ:**

- قرآن کے مجموعی، باہمی، مربوط اور داخلی طور پر ہم آہنگ نصوص کا غیر جانب دار مطالعہ، اس حقیقت کو پوری وضاحت کے ساتھ آشکار کرتا ہے کہ **عیسیٰ ابن مریم** علیہ السلام کی حیثیت محض **ایک روایتی نبی یا سلسلۂ نبوت کی ایک کڑی تک محدود نہیں**۔ بلکہ قرآن نے ان کی شخصیت کو ایک **جامع، ہمہ جہتی اور غیر معمولی کتابی پروفائل** کی صورت میں پیش کیا ہے، جس میں وحی، کتاب، معجزہ، تطہیرِ اخلاق، تزکیۂ نفس، اتباع و اطاعت، اور آخری زمانے کی علامتِ ساعۃ—سب ایک ہی مرکز پر اکھٹے ہو جاتے ہیں۔
- عیسیٰ وہ واحد شخصیت ہیں جن کے بارے میں قرآن نہ صرف ان کی **نبوت** کو صراحتاً بیان کرتا ہے بلکہ ان کی نسبت **الانجیل، کلمۃُ اللہ، روحٌ منہ**، اور **آیت للناس** جیسے منفرد اوصاف کے ذریعے وحی کے ایک خاص اور اعلیٰ درجے کو بھی واضح کرتا ہے۔ ان کے معجزات محض طاقت کے مظاہر نہیں بلکہ تخلیقی، شفائی اور حیات بخش اعمال ہیں، جو، ہر موقع پر صراحت کے ساتھ **اذنِ الٰہی** سے مشروط کر کے ان کی کامل عبودیت اور بندگی کو مزید در مزید نمایاں کرتے ہیں۔
- اخلاقی و روحانی سطح پر، قرآن عیسیٰ کو **رحمت، رأفت، عفو، تزکیہ اور باطنی اصلاح** کے محور کے طور پر پیش کرتا ہے، جہاں شریعت کا مقصد محض قانون نہیں بلکہ انسان کے باطن کی پاکی اور اخلاقی ارتقاء ہے۔ اسی تسلسل میں، اختلافات کے حل، حق کی توضیح اور راستے کی تعیین میں بھی عیسیٰ کو ایک **حَکم اور مُبیّن** کی حیثیت دی گئی ہے۔
- سب سے زیادہ امتیازی پہلو یہ ہے کہ قرآن میں **براہِ راست اطاعت** اور **اتباع** کا صریح اور تکراری حکم صرف عیسیٰ کے ساتھ خاص کر منسلک ہے، اور اسی اطاعت کو بار بار هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ قرار دیا گیا ہے۔ یہ منزلت و مقام نہ صرف یکتا و یگانہ ہے بلکہ کسی اور کتابی شخصیت کے لیے اس درجہ وضاحت اور تکرار کے ساتھ وارد نہیں ہوا۔
- مزید برآں، عیسیٰ کو قرآن میں ایک واضح **اسکاٹولوجیکل (آخری زمانی)** کردار بھی عطا کیا گیا ہے—یعنی وہ قیامت کے قریب ایک علمی و علامتی نشانی کے طور پر پیش کیے گئے ہیں، اور ان کے پیروکاروں کے لیے قیامت تک غلبے کا وعدہ بھی نصِ صریح میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ یوں عیسیٰ کی شخصیت ماضی، حال اور مستقبل—تینوں زمانی دائروں کو یکجا کر دیتی ہے۔
- لہٰذا، قرآن کی خالص نصّی بنیاد پر یہ کہنا پوری طرح بجا اور علمی طور پر درست ہے کہ **عیسیٰ بن مریم** علیہ السلام کی شان و خصوصیات نہ صرف غیر معمولی وسعت رکھتی ہیں بلکہ اپنی نوعیت، مرکزیت اور ہمہ جہتی کے اعتبار سے **قطعی طور پر سب سے جداگانہ ہیں**۔ الکتاب میں عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت محض ایک نبی کی نہیں، بلکہ وحی، معجزہ، اخلاق، تزکیہ، اطاعت اور علامتِ قیامت، یہ سب عناصر اس درجے میں، ایک ایسے مربوط اور مسلسل بیانیے کے ساتھ سامنے آ گئے کہ کسی دوسری شخصیت کو یہ بلندی و سرفرازی حاصل ہی نہیں۔

اہم نبیوں کا جامع تقابلی جدول (صرف قرآن کے نصوص پر مبنی) •

نوح ابن؟ ❌	ابراہیم ابن؟ ❌	موسیٰ ابن؟ ❌	عیسیٰ ابن مریم ✔	معیار/وصف
نوح	ابراہیم (نسبی سیاق)	موسیٰ	(19:34) ذٰلِکَ عِیسَى ابْنُ مَرْيَمَ ✔	صریح نسبی تعارف
کوئی کتاب منسوب نہیں ❌	کوئی کتاب منسوب نہیں ❌	التوراۃ/الکتاب ✔	(5:46) الانجیل ✔	بنکتاب کی نسبت
(11:36) وحی	(6:74–83) وحی/ہدایات	(4:164) کَلَّمَ اللّٰہُ مُوسٰی تَکْلِیمًا	(4:171) کَلِمَتُہٗ مِنْہُ، رُوحٌ مِّنْهُ	وحی کی نوعیت
❌	❌	❌	(3:5143:64،19:36،) اَتَّبِعُونِ ✔	اطاعت کا براہِ راست حکم
❌	❌	❌	اطیعونِ چار بار صراحت ✔	اطاعت = صراطِ مستقیم
طوفان (بطور عذاب)	معجزات ثانوی ❌	عصا، یدِ بیضا، بحر	تخلیق، احیاءِ موتٰی، شفاء ✔	بے مِثل معجزات
تنبیہی	دلیل و حجت	طبعی/خارجی	تخلیقی/باطنی ✔	معجزات کا اسلوب
عبد شکور	عبدیت مرکزی	عبدیت موجود	ہر فعل "بِاِذْنِ اللّٰہِ" ✔	عبدیت پر تلقین
صبر، استقامت	توحید، انقیاد	شریعت، عدل، احکام	57:27 رحمت، رأفت، تزکیہ ✔	اخلاقی و تزکیاتی مرکز
❌	❌	جزوی	(43:63) ... لِاُبَیِّنَ ✔	اختلافات میں فیصل
❌	❌	❌	(43:61) عِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ ✔	اسکاتولوجیکل کردار
❌	❌	❌	(3:55–57) ✔	قیامت تک پیروکار
❌	❌	❌	منفرد ترین ✔	حیثیت، مرکزی مُطاع
اولین رسول	امامٌ للناس	جلیل القدر نبی	**مرکزی رسول، مُطاع، پیدائشی نبی**	حتمی/مرکزی مقام

قرآن کی (61:6) کا سیاق — براہِ راست "عوالمِ عیسیٰ" میں 3

- پورا پیراگراف: بنی اسرائیل سے خطاب۔ عیسیٰ کی رسالت کا بیان۔ انجیل کا ذکر۔ ایمان و کفر کا ردیا قبول۔ کسی بنو اسماعیل کا ذکر نہیں۔ کسی عربی قوم کا ذکر نہیں، نہ تو بنو ہاشم کا تذکرہ، اور نہ کسی قریشی شخصیت کی نشاندہی۔

مستنبط سوال 🔎

کیا یہاں لفظِ "أَحْمَدُ" کا ذکر **مستقبل کے کسی عربی نبی کے لیے ہے؟ یا عیسیٰ بن مریم ہی کے ایک اور** Praise-title کی طرف اشارہ ہے؟

چونکہ: الکتاب میں عیسیٰ ہی ہائیلی پریڈ ہیں، اور لفظ، محمد بھی قرآن میں بطورِ لقب ہی استعمال ہُوا ہے، گویا، دونوں القاب ایک ہی معیناتی جوہر سے ہیں۔

یہ سوال علمی طور پر جائز ہے کہ: "أَحْمَدُ" یسوعؑ کے القاب میں سے ایک لقب ہو، مخاطب قوم جس کی پہلے سے شناخت رکھتی ہو۔

◆ خلاصہ جدول ◆

متنی و لسانی مشاہدہ	روایتی تعبیر	پہلو
سیاق مکمل اسرائیلی	ایک غیر اسرائیلی پیغمبر	کون آئیں گے؟
تجیدی لقب	ذاتی اسم	نام کی نوعیت
مسیحی–یسوع سیاق	عربی نبی	Praise-Context
قرآن تک محدود	حدیث و سیرت	دیگر شہادات

تحقیقی نتیجہ (سوال کی شکل میں) 🔍

کیا لفظ "أَحْمَدُ" قرآن میں ایک آنے والے "Praise-worthy Messenger" کے طور پر

خود عیسیٰ کے ہی لقب کی طرف اشارہ کرتی ہے؟ یا یہ کسی دوسری شخصیت کی تعریف ہے جس کا قرآن کوئی واضح تعارف نہیں دیتا؟

یہ وہ نکتہ ہے جس پر **مزید غیر جانبدارانہ تحقیق** لازم ہو جاتی ہے۔

📘 حصۂ دوم — شق (6): "خَاتَمُ النَّبِيِّينَ" (33:40) — کتابی، لسانی اور سیاقی مطالعہ

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ ۚ وَلَـٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا

اس آیت کی سطحی / روایتی سمجھ: محمد ﷺ تم میں کسی کا باپ نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کی مُہر / اختتام ہیں، اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔

اسلامی روایت نے اس آیت کو عالمگیر اور حتمی ختمِ نبوت کے اعلان کے طور پر سمجھا، اور اسی فہم پر ایک مضبوط عقیدتی ڈھانچے کو اُستوار کر ڈالا۔

تاہم، اگر آیت کو قرآن کے اندرونی لسانی اصولوں، نحوی ساخت اور سیاقی نظام کے تحت پڑھا جائے تو معاملہ اتنا غیر مبہم نہیں رہتا۔

لفظ خاتم عربی میں متعدد معانی رکھتا ہے:

مہر (seal)، اختتام (closure)، کمال یا تکمیل اور (consummation)۔

لغت بذاتِ خود کسی ایک معنیٰ کو قطعی قرار نہیں دیتی، اس لیے محض لغوی بنیاد پر "آخری نبی" کا مفہوم لازم نہیں بنتا۔

نحوی اعتبار سے آیت کا بنیادی مقصد اور فحوائے کلام نسبی باپ ہونے کی نفی اور نبوت کے منصب کی تصریح ہے۔

آیت یہ نہیں کہتی کہ "نبوت ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی"، بلکہ یہ کہتی ہے کہ لفظِ محمد کی حیثیت نسبی نہیں بلکہ منصبی تھی۔

سیاقی طور پر قرآن کے متعدد مقامات پر نبوت اور کتاب کو خاص طور پر بنی اسرائیل کی لڑی سے جوڑا گیا ہے۔ اس پسِ منظر میں یہ قراءت عین ممکن ہے کہ خاتَم النبیین سے مراد بنی اسرائیلی نبوتی سلسلے کی تکمیل ہو، نا کہ ہر زمان و مکان کے لیے مطلق اختتام؟

یہ حقیقت بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ قرآن کے بہت بعد آنے والی روایات (حدیث، سیرت، فقہ، اجماع) نے اپنے متعدد اغراض کے تحت بہت جلد اس آیت کو آخری نبوت کے عقیدے سے جوڑ دیا، اور یہی فہم عمومی سطح پر پوری اُمت میں غالب ہو گیا۔ لیکن یہ غلبہ تاریخی و مذہبی تشکیل کا نتیجہ ہے، نا کہ قرآن کی اس آیت کی واحد ممکنہ قراءت؟

نتیجہ: قرآن کی زبان، ساخت اور سیاق ایک سے زیادہ فہم کی گنجائش رکھتے ہیں۔

لہٰذا 33:40 کو "عالمگیر ختمِ نبوت" کی قطعی نص قرار دینا، قرآن کے متن سے لازم نہیں آتا بلکہ یہ محض ایک روایتی اور تاریخی تعبیر ہے۔

یہ باب کسی عقیدے کی نفی نہیں کرتا، بلکہ متن اور روایت کے فرق کو واضح کرتا ہے — جو سنجیدہ علمی مطالعے کی اساس ہے۔

اعتراضات + مختصر جوابات:

اعتراض (1): خاتم النبیین کا صاف مطلب آخری نبی ہے، اس میں ابہام کیا ہے؟

جواب: لغوی طور پر خاتم کے کئی معانی ہیں۔ قرآن نے صراحتاً "لا نبی بعدہ" جیسا جملہ استعمال نہیں کیا۔ لہٰذا ابہام خود متن میں ہے، پیدا نہیں کیا جا رہا۔

اعتراض (2): چودہ سو سالہ اجماع کو کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟

جواب: اجماع ایک تاریخی و فقہی حقیقت ہے، مگر وہ قرآن کے لغوی امکانات کو ختم نہیں کرتا۔ یہ بحث متن کی ہے، امت کے تاریخی فیصلے کی نہیں۔

اعتراض (3): اگر ختمِ نبوت قطعی نہیں تو دینِ متین غیر محفوظ ہو جائے گا۔

جواب: یہ محض خود ساختہ ذہنی خوف ہے، قرآنی دلیل نہیں۔ قرآن اپنی حفاظت کو نبوت کی تعداد سے نہیں بلکہ الٰہی وعدے سے جوڑتی ہے (15:9)۔

اعتراض (4): تمام کبارِ مفسرین نے آخری نبی ہی معنی لیا ہے۔

جواب: اکثریت کا موقف اپنی جگہ قابلِ احترام، مگر اکثریت = واحد ممکنہ قراءت نہیں۔ علمی تحقیق ہی اکثریتی رائے کا تجزیہ کر سکتی ہے۔

اعتراض (5): یہ سارے جدید پیدا کردہ شکوک ہیں جو کہ مستشرقین کی کارستانیاں ہیں۔

جواب: لسانی و سیاقی سوالات خود قرآن کے اندر سے اٹھتے ہیں۔ متن پر سوال اٹھانا استشراق نہیں، بلکہ قرآن پر تدبّر کہلاتا ہے۔

اعتراض (6): استغفراللہ، اِس قسم کی بحثیں تو ایمان ہی کو کمزور کر دیں گی۔

جواب: اندھا دھند یقین ایمان کو کمزور کرتا ہے؛ جبکہ سمجھا بوجھا یقین اسے مضبوط تر بناتا ہے۔

اختتامی کلمات: ختمِ نبوت کا عقیدہ مسلمانوں کی روایت کا ستون ہے، مگر قرآن کی آیت 33:40 بذاتِ خود ایک سے زیادہ مفاہیم کی گنجائش رکھتی ہے — اور اس نکتے کو سمجھے بغیر نہ متن کو انصاف ملتا ہے، اور نہ تحقیق کو۔

حصۂ سوم —(ابتدائی اور فیصلہ کن شق): جامع کتابی دفاع: محمد ابن عبد اللہ، رسالت، اطاعت، اور حتمی دائرۂ اختیار

یہ حصہ اس مطالعے کے لیے ایک ناگزیر، مرکزی اور فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں عام طور پر معترض یہ دعویٰ کرتا ہے کہ قرآن خود محمد ابن عبد اللہ کی نبوت، رسالت، اطاعت، اور حتمی دینی اختیار کو صراحت کے ساتھ ثابت کرتا ہے۔ اس باب کا مقصد کسی موروثی عقیدے کی تردید نہیں، بلکہ ان تمام آیات کو یکجا کرکے **قرآنی منہج** کے تحت جانچنا ہے جنہیں عموماً اس دعوے کی بنیاد بنایا جاتا رہا ہے۔

یہ مطالعہ کسی حدیثی، سیرتی یا فقہی روایت کو بطورِ دلیل استعمال نہیں کرتا، بلکہ صرف اور صرف قرآن کے داخلی نصوص، اسلوب، ضمائر، خطابات، اور بیانی ساخت کو اپنے مطالعے کی نیو بناتا ہے۔

پہلا حصہ: قرآن میں یاأَيُّهَا النَّبِيُّ کے عنوان سے حاضر اور مخاطب شخص کون ہے؟

سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ قرآن میں يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ کوئی ذاتی یا شخصی نام نہیں بلکہ ایک فعلی اور منصبی عنوان ہے۔ یہ خطاب کسی فردی سوانح یا تاریخی شاخت قائم کرنے کے لیے نہیں بلکہ ایک جاری عمل، ایک ذمہ داری اور ایک زندہ مخاطبت کے تناظر میں آتا ہے۔ قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ جب وہ کسی کردار کو براہِ راست ہدایات دے رہا ہو، جب وہ کسی سماجی، خانگی یا اجماعتی صورتِ حال کو منظم کر رہا ہو، جب وہ فوری اصلاح، تنبیہ یا نظمِ اجتماعی قائم کرنا چاہتا ہو، تو وہ حاضر کے صیغے میں خطاب کرتا ہے۔ یہاں "حاضر" سے مراد لازماً وہ نہیں ہوتا جسے بہت بعد کی تاریخ نے ایک مکمل سوانحی شخصیت کی صورت میں تخلیق کر ڈالا، بلکہ وہ "نبی یا رسول" بطور منصب ہے جو وحی کے نزولی لمحات میں، ایک محدود سماجی ماحول کے اندر ایک مخصوص جماعت کے بیچ، ایک عملی نظم چلا رہا ہے۔ ان آیات کا دائرہ ذرا غور سے دیکھیے۔

کچھ آیات خالصتاً گھریلو نظم سے متعلق ہیں

کھانے پر بلا اجازت داخل نہ ہونے کے بارے میں ہیں

گفتگو کو طول نہ کرنے سے متعلق ہیں

ازواجِ نبی سے پردے کے پیچھے رہ کر سوال کرنے کا مشورہ ہے

نبی کی نجی اذیت کا لحاظ رکھنے کو لیکر ہیں

یہ سب ہدایات کسی "آفاقی عقیدے" کی نہیں بلکہ ایک عینی سماجی صورتِ حال کی ہیں۔

کچھ آیات ازدواجی قوانین سے متعلق ہیں، کن ازواج کا حلال ہونا، کن معاملات میں تخییر، کن حدود میں فیصلہ، یہ سب ایک منصبی نبی سے خطاب ہے، نا کہ ایک ماورائی، ہمہ زمانی ہمہ جہتی اور مثالی ہستی سے؟

کچھ آیات سیاسی و اجتماعی ذمہ داری سے متعلق ہیں، کفار اور منافقین سے جہاد، نرمی یا سختی کا حکم، سیاسی دباؤ میں نہ آنا، یہ سب اُس نبی سے متعلق ہیں جو ایک محدود علاقے میں ایک مخصوص جماعت کی قیادت کر رہا ہے۔

یہ آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ بظاہر نبی کے احترام، تقدیس اور تعظیم کا حکم معلوم ہوتی ہے، اور یہی وہ مقام ہے جہاں روایتی بیانیہ فوراً یہ دعویٰ قائم کرتا ہے کہ: یہاں نبی کی ذات کو ایک ماورائی، دائمی اور مطلقاً احترام کا مرکز بنایا جا رہا ہے۔ یہ حکم ایک مخصوص سماجی صورتِ حال میں، ایک سامنے کی مجلس، ایک

موجود جماعت اور ایک حاضر قیادت کے نظم سے متعلق ہے۔ یہاں مسئلہ "ایمان" کے فلسفے کا نہیں، بلکہ مجلس کے آداب کا ہے۔ یہ آیت اس بات کا اعلان نہیں کہ نبی کی ہر ادا، ہر بات، ہر فیصلہ اور ہر عمل ہمیشہ ہمیش کے لیے غیر قابلِ سوال اور مطلق اطاعت کا معیار بن جائے۔ بلکہ یہ آیت کہتی ہے کہ جب نبی ایک جماعت کی قیادت کر رہا ہو، جب وہ براہِ راست مخاطب ہو، جب وہ ایک عملی نظم چلا رہا ہو، تو اس کے سامنے شور شرابہ، بدتمیزی اور بے ادبی، اسی نظم کو توڑ دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسی آیت میں سزا کا تعلق عقیدے کی نفی سے نہیں، بلکہ اعمال کو حبط سے جوڑا گیا ہے۔ اگر یہ آیت نبی کی ذات کو ہمہ زمانی، ہمہ مکانی، ہمہ جہتی اور مابعد الوحی "مطلق اتھارٹی" بنانا چاہتی تو قرآن یہاں، براہِ راست ایمان کے زوال یا شرک یا کفر کی زبان استعمال کیا ہوتا۔ یہ چونکہ ایک سماجی، جماعتی اور اخلاقی ضابطہ ہے، جو براہِ راست موجود نبی اور موجود مومنین کے درمیان لاگو ہوتا ہے۔ یہی اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ یہ آیت بھی "یا ایہا النبی" کے دیگر خطابات کی طرح صرف منصبی اور زمانی ہے، نا کہ سوانحی اور دائمی؟

اگر یہ احترامِ نبی کا دائمی عقیدہ ہوتا تو قرآن خود نبی کے انتقال کے بعد اس آیت کی عملی صورت بھی متعین کر دیتا، مگر وہ بالکل خاموش ہے۔ اور یہ خاموشی محض اتفاقی نہیں، بلکہ اصولی اور مقصدی ہے۔ قرآن نبی کو پیغام کے دوران اور پیغام کی ترسیل کے سیاق میں، مرکزی احترام دیتا ہے، مگر پیغام کے بعد، اپنے مرکز کو "الکتاب" کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔ لھذا، اس آیت کو بنیاد بنا کر ایک ہمہ گیر شخصی تقدیس یا دائمی اطاعتی اتھارٹی قائم کر دینا قرآن کے اپنے متن سے صریح تجاوز ہے۔ یہ آیت اسی بڑے قرآنی اصول کی تصدیق کرتی ہے کہ احترام، اطاعت اور نظم، رسالت کے فعّال لمحوں سے جڑے ہیں، نا کہ بہت بعد کی تاریخ میں تعمیر کی گئی شخصی تقدیس سے؟

یہ آیت يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ قرآن میں "يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ" کا خطاب اپنی ساخت، لہجے اور مطالبے میں غیر معمولی طور پر ہنگامی اور زمانی ہے۔ یہاں "الرَّسُولُ" کسی دائمی منصب یا مابعد التاریخی اتھارٹی کے طور پر نہیں، بلکہ ایک فی الوقت مخاطب انسانی رسول کے طور پر سامنے آتا ہے۔ جس کے سامنے ایک فوری اور زمانۂ حال ذمہ داری رکھی جا رہی ہے۔ آیت یہ قطعی نہیں کہتی کہ اے رسول، جو کچھ تم کہو گے وہ ہمیشہ کے لیے دائمی حجت بنے گا بلکہ یہ کہتی ہے کہ: جو کچھ تم پر نازل کیا گیا ہے اسی کو پہنچا دو۔ یہاں "مرکزِ وزن" رسول کی ذات نہیں بلکہ نازل شدہ پیغام ہے، اسی لئے اگلا جملہ نہایت فیصلہ کُن ہے: "وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ" یعنی اگر تم نے یہ مخصوص پیغام نہ پہنچایا تو گویا فرضِ رسالت ادا ہی نہیں ہوا۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ رسالت کا عہدہ کسی کا بھی ذاتی اختیار یا اضافی تعلیمات کا نام نہیں، بلکہ وحی کی درست اور بے کم و کاست ترسیل کا نام ہے۔ اور جب وہ ترسیل مکمل ہو چکی، تو عہدۂ رسالت بھی اپنے بامِ مقصد کو پہنچ گیا۔ اس کے بعد فرمایا گیا: "وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ" یہ فقرہ خود بتا رہا ہے کہ یہ خطاب ایک ایسے ماحول میں ہو رہا تھا جہاں لوگوں کا ردِ عمل ممکنہ خطرہ بن سکتا تھا۔ یہ نہ قیامت کے بعد کا منظر ہے، نہ ہر زمان و مکان کے لیے ایک عمومی قانون بلکہ یہ ایک خاص تاریخی لمحے کی حفاظت کا وعدہ ہے۔ اور آیت کا اختتام: "إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ" پر ہو رہا ہے، یہاں بھی ہدایت اور انکار اُسی وقت کے مخاطبین کے حوالے سے ہے، نا کہ ہر آنے والی نسل و قوم کے لیے؟ رسول کی ذات کو مستقل مرکز بنانے کے لیے۔ اس آیت کا مجموعی اور کتابی مفہوم بس یہ بنتا ہے کہ: "الرسول" وہی ہے، جو اُس وقت وحی وصول کر رہا ہو اور جس پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ پورا پیغام بلا کمی بیشی بس پہنچا دے۔ یہ آیت رسول کی شخصی ذات کو دائمی قانون ساز نہیں بناتی، بلکہ ایک

امانت دار مبلغ ثابت کرتی ہے۔ جونہی "بلّغ ماأنزِلَ" کا تقاضا پورا ہو گیا، اور وحی پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی، اب "مرکزِ ہدایت" منصبِ رسول سے ہٹ کر، خود الکتاب بن گیا۔ لھٰذا اگر کوئی ناقد اس آیت کو بنیاد بنا کر کہے کہ رسول ہمیشہ کے لئے حاضر اور مطاع ہے، تو اسے یہ بتانا ہو گا کہ: قرآن کہاں کہتا ہے کہ بلّغ کے بعد رسول کی ذاتی آراء، رسول کے شخصی روز و شب یا بہت بعد کے منسوب کردہ اقوال "وحی" کے برابر ہو گئے؟

اب اصل نکتہ یہ ہے: قرآن کہیں بھی یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ یہ تمام حاضر خطابات ہمیشہ کے لیے ہر زمانے اور ہر علاقے میں اسی طرح اطلاق پذیر رہیں گے، یا یہ کہ ان خطابات سے ایک مستقل سوانحی اتھارٹی اخذ کی جائے، نا کہ "محمد ابن عبد اللہ" کو بطور ایک مکمل تاریخی، عقیدتی مرکز؟ اسی لیے قرآن ان تمام مقامات پر کوئی معرفہ نام استعمال نہیں کرتا، کوئی حسب نسب بیان نہیں کرتا، ماضی کی کوئی کہانی نہیں سناتا، بلکہ براہِ راست ہدایت دیتا ہے۔ یہ اسلوبِ تکلم بالکل وہی ہے جو قرآن نے دیگر مقامات پر بھی اختیار کیا ہے۔ یا نوح، یا ابراھیم، یا موسیٰ، یا عیسیٰ، یہ سب بھی اپنے اپنے سیاق میں حاضر و موجود کے صیغے میں آئے ہیں، مگر کوئی عاقل یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ ہر "یا موسیٰ" ہمیشہ کے لیے ایک زندہ جسمانی موجودگی کا اعلان ہے۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ ان تمام "یاایہا النبی" والی آیات میں کہیں بھی قرآن یہ نہیں کہتا کہ "یہ نبی" تمہاری اطاعت کا مستقل اور دائمی مرکز ہے، یا اس کی نجی شخصیت، وحی کے بعد بھی قانون سازی کا لگاتار و پائیدار ماخذ ہے۔

اطاعت کا دائرہ، رسالت کے پیغام اور اللہ کے حکم کے ساتھ جوڑا گیا ہے، نا کہ نبی کی نجی زندگانی، ازدواجی فیصلوں یا گھریلو نظم و انتظام کے ساتھ؟

پس حکیمانہ نتیجہ یہ ہے: قرآن میں "یَاأَيُّهَا الرَّسُولُ اور یاایہا النبی" ایک زمانی، سیاقی اور فعلی خطاب ہے، جو نزول کے لمحے میں موجود نبی سے ہوتا ہے، نا کہ بہت بعد لکھی تاریخ میں تعمیر کی گئی ایک ہمہ گیر شخصی اتھارٹی سے؟

جو ناقد، اِن آیات کو لے کر مجھے دفاعی پوزیشن میں لانا چاہتا ہے، وہ دراصل خود ایک بنیادی مغالطہ میں ہے، یعنی وہ منصب کو شخصیت میں، خطاب کو عقیدہ میں اور وقتی نظم کو دائمی شریعت میں بدل دیتا ہے۔ جبکہ قرآن خود ایسا کوئی جست کہیں نہیں لگاتا۔

دوسرا حصہ: براہِ راست خطابات اور حاضر کی ضمیریں

الکتاب میں متعدد مقامات پر ایک واحد مخاطب کے ساتھ ضمیرِ حاضر استعمال ہوئی ہے، جیسے:

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ

یہ تمام آیات ایک مخاطب کی طرف نسبت کرتی ہیں، مگر قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ **کہیں بھی اس مخاطب کا کوئی شخصی تعارف موجود نہیں**۔ نہ نسب، نہ قبیلہ، نہ جغرافیہ، نہ تاریخی سوانح — بلکہ ایک **رسالی کردار** سامنے آتا ہے، نا کہ ایک مکمل سیرتی شخصیت؟

دوسرا حصہ: "قُل" والی آیات اور نمائندہ آواز

قرآن میں بار بار "قُل" کے ذریعے مخاطب کو ایک نمائندہ آواز کے طور پر پیش کیا جاتا ہے:

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا

یہ اسلوب، دراصل یہ ظاہر کرتا ہے کہ مخاطب اپنی ذات کی نہیں، بلکہ **الکتاب کے پیغام** کی ترجمانی کر رہا ہے۔ یہاں اتباع کسی شخص کے ذاتی افعال کی نہیں، بلکہ اُس پیغام کی ہے جسے وہ پہنچا رہا ہے۔

تیسرا حصہ: "الرسول" اور اطاعت کا مفہوم

وہ آیات جو سب سے زیادہ اعتراض کے طور پر پیش کی جاتی ہیں، یہ ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا

خالص قرآنی تجزیہ یہ واضح کرتا ہے کہ:

الرسول یہاں **ہمیشہ ایک منصب** ہے، نہ کہ ایک شخصی نام۔

اطاعت کو ہر مقام پر اللہ کی اطاعت کے ساتھ جوڑا گیا ہے، اور رسول کی اطاعت دراصل **وحی / کتاب کی اطاعت** کے مترادف بن کر سامنے آتی ہے۔

کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا:

"أطيعوا محمدًا" یا

"إتبعوا محمد بن عبد االله"

یہ ذو معنی خاموشی، بذاتِ خود ایک مضبوط ترین متنی حقیقت ہے۔

چوتھا حصہ: "وما ينطق عن الهوى"

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ

یہ آیات ذاتی اقوال کی تقدیس نہیں کرتیں، بلکہ **وحی کے منبع** کو نمایاں کرتی ہیں۔ نفی دراصل "الْهَوَىٰ" کی ہے، اور اِثبات اصل میں "وَحْيٌ" کا ہے — یعنی اتھارٹی کلام کی ہے، نا کہ بولنے والے کی شخصیت کی؟

پانچواں حصہ: سورۃ الضحیٰ، الم نشرح، اور تسلیانہ خطابات

یہ سورتیں ایک داعی کو تسلی دیتی ہیں، مگر:

- نہ محمد ابن عبد اللہ کا نام
- نہ کوئی تاریخی واقعہ
- نہ کوئی سوانحی تفصیل
- نہ کسی قریشی، مکی یا مدنی شناخت کا ذکر

یہ سب آیتیں اصل میں **رسالتی تجربوں** کو ظاہر کرتی ہیں، نا کہ کسی کا کوئی سیرتی خاکہ؟

چھٹا حصہ: "يا ايها المدّثر"، يا ايها المزمّل"، "يا سين"، "طٰهٰ"

یہ تمام **تعریفی خطابات اور رسالتی القاب** ہیں۔

ان میں سے کوئی بھی خطاب، شخصی نام، نسب، قبیلہ، خاندان یا جغرافیائی شناخت فراہم نہیں کرتا۔

جبکہ یہ اسلوب، قرآن کے دیگر انبیاء کے ساتھ نہیں برتا گیا، جہاں واضح طور پر نام، نسب اور تاریخی سیاق دیا گیا ہے (مثلاً: موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم)۔

ساتواں حصہ: اُسوۂ حسنہ اور تحکیمِ رسول

لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ

یہاں پر "رسول" **بطورِ معیاری اتھارٹی** سامنے آتا ہے، مگر یہ اتھارٹی، ذاتی قانون سازی نہیں، **بلکہ وحی کے مطابق فیصلے** ہیں۔ تحکیمِ رسول دراصل تحکیمِ وحی ہے۔

آٹھواں حصہ: اعتراض بمقابلہ کتابی جواب (خلاصہ)

اعتراض: یہ تمام آیات بلا شبہ محمد ابن عبد اللہ کے بارے میں ہی ہیں۔

کتابی جواب: قرآن کسی ایک مقام پر بھی اُس شخصی شناخت کو متعارف نہیں کرواتا جس کا دعویٰ بہت بعد کی روایتیں کرتی آئی ہیں۔

اعتراض: اطاعتِ رسول تو لازمی ہے۔

کتابی جواب: جی ہاں، مگر رسول کی اطاعت ہمیشہ کتاب کے ساتھ مشروط و مقید ہے، شخصی ذات کے ساتھ نہیں۔

اعتراض: چودہ سو سالہ اجماع، کیا سارے کا سارا غلط ہے؟

کتابی جواب: اجماع ایک تاریخی تشکیل ہے، قرآن کی متنی دلیل نہیں۔

حتمی نتیجہ:

اس پورے باب کا غیر جانب دار اور خالص قرآنی ما حصل یہ ہے کہ:

قرآن ایک داعی، رسول، مبشّر، نذیر، اور اخلاقی نمونہ پیش کرتا ہے —

مگر **محمد ابن عبد اللہ** کو بطورِ مکمل تاریخی، سوانحی اور شخصی نبی کے طور پر خود کہیں بھی متعارف نہیں کرواتا۔

یہ فرق، کوئی **انکار** نہیں، بلکہ **متن اور روایت کے درمیان ایک علمی اور مشاہداتی امتیاز** ہے — اور یہی سنجیدہ علمی تحقیق کی جڑ بھی ہے!

📘 حصۂ سوم — (ذیلی شق) قرآن اور لفظِ "محمد" — کتابی دائرۂ اختیار کی تحدید

1 قرآنی حقیقت:

قرآن میں کہیں بھی یہ اسلوبی جملہ موجود ہی نہیں:

آتینا محمدا القرآن یا آتینا محمدا الکتاب

جبکہ تورات، زبور اور انجیل کے بارے میں **یہ اسلوب بار بار موجود ہے**۔

یہ فرق محض اسلوب کا نہیں بلکہ **منہج** کا ہے۔

2 رسول اور کتاب کی تفریق:

- قرآن، رسول کو اِن کرداروں کے ساتھ جوڑتا ہے: شاهدا – مبشرا – نذيرا – داعيا الى الله – مبيّنا – مزكّيا
- جبکہ قرآن خود کو اِن اَوصاف کے ساتھ جوڑتا ہے: هدىً – الفرقان – المیزان – الذکر – تبیاناً لکل شيء

یعنی: رسول = فاعلِ اِبلاغ، اور قرآن = مصدرِ ہدایت۔ مطلب یہ کہ کوئی رسول، الکتاب **کا مالک** نہیں، بلکہ فقط **امینِ ابلاغ** ہے!

3 "كَافَّةً لِّلنَّاسِ" کا موقع و محل:

یہ آیت: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا رسول کی **بعثت** کو عالمگیر تو کرتی ہے، مگر قرآن کی **شخصی ملکیت** کو ثابت نہیں کرتی۔

یہی فرق نہ سمجھا جائے تو: رسول بن جاتا ہے = الکتاب، اور وحی بن جاتی ہے = شخصیت۔ چنانچہ یہی وہ نکتہ ہے جہاں روایت قرآنی نصّ پر غالب آجاتی ہے۔

4 اگر قرآن شخصی نسبت رکھتا:

تو قرآن لازماً: محمد بن عبد اللہ – قوم – نسب – جغرافیہ اور سیرت کو اسی صراحت سے بیان کرتا جیسے: موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم کی۔

مگر ایسا بالکل نہیں ہُوا۔ اور یہ خاموشی محض **اتفاقاً نہیں، بلکہ یہ ایک ذو معنی اور قرآن کا ایک اِرادَتاً انتخاب** ہے!

معترض کے لئے جواب (Reviewer Defense Note)

اعتراض: قرآن تو محمد ﷺ کو دیا گیا ہے، اس لیے آپ کی ساری بحث بے معنی ہے۔

کتابی جواب: یہ دعویٰ فقط روایات میں ہے، الکتاب میں کہیں بھی نہیں!

قرآن نے: توراۃ (الکتاب) کو موسیٰ سے – زبور کو داؤد سے – انجیل کو عیسیٰ سے صراحتاً منسوب کیا ہے۔۔۔ **مگر**

قرآن کو کہیں بھی **کسی شخصی نام سے منسوب نہیں کیا**۔۔۔ یہ کلیدی فرق کو جانے اور سمجھے بغیر:

- نہ قرآن کا درست مطالعہ ممکن ہو پاتا ہے اور
- نہ قرآن کے نص اور روایتی بیان کے درمیان امتیاز باقی رہ پاتا ہے

یہاں یہ بات نہیں کہ: قرآن، لفظِ محمد سے متعلق ہی نہیں، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ قرآن کی شخصی نسبت، محمد ابن عبد اللہ سے ثابت ہی نہیں۔

اور یہی ایک **علمی، جائز اور ناگزیر مسئلہ** ہے۔ یہ مسئلہ ایمانیات پر کوئی ضرب نہیں، بلکہ **متن کے حقِ اوّلیت کا معقول** اور منطقی مطالبہ ہے!

حتمی میٹا نتیجہ (One-Paragraph Closure)

قرآن کا داخلی مطالعہ واضح کرتا ہے کہ جہاں سابقہ کتب کو مخصوص انبیاء کے ساتھ شخصی اور نسبی طور پر منسوب کیا گیا، وہاں قرآن کو جان بوجھ کر ایک غیر شخصی، عالمگیر اور میزان و فرقان کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ رسولِ مخاطب بالقرآن کا کردار، ابلاغ، بیان اور دعوت تک محدود رکھا گیا، جبکہ خود قرآن کو ہدایت، معیارِ حق اور محفوظ نص قرار دیا گیا۔ چنانچہ قرآن کو لفظِ "محمد" بطورِ شخصی ملکیت سے جوڑ دینا، قرآنی نہیں بلکہ ایک روایتی تعبیر ہے، اور اسی فرق کو واضح کرنا اس تحقیق کا بنیادی اور فیصلہ کن منہج ہے!

📘 ایک خصوصی اور نہایت ضروری حصہ: عیسیٰ، انجیل، اور موجودہ بائبل — ایک قرآنی، متنی اور تسلی بخش توضیح

یہ حصہ اس خصوصی سوال کے لیے وقف ہے جو اِس کتاب کے سنجیدہ قاری کے ذہن میں لازماً اُبھرے گا:

جب قرآن بار بار عیسیٰ ابن مریم اور انجیل کا ذکر کرتا ہے، تو پھر وہ انجیل ہے کہاں؟ کیا وہ یہی موجودہ بائبل ہے؟

اور اگر نہیں، تو عیسیٰ کی پیروی کا عمل کے لحاظ سے مفہوم کیا رہ جاتا ہے؟

یہ سوال نہ ذاتی شکوک پر مبنی ہے، اور نہ معاندانہ شبہات پر — بلکہ یہ عین فہمِ دین کا سوال ہے۔

لہٰذا اس کا جواب بھی نہ خطیبانہ ہونا چاہیے، نہ مُدافعانہ، بلکہ **قرآن کے اپنے داخلی اور متنی منہج** پر قائم ہونا چاہیے۔

یہ باب اسی بدیہی اور فطری سوال کا براہِ راست جواب دینے کے لیے مرتب کیا گیا ہے کہ قرآن میں جن کتبِ الٰہیہ کا ذکر آیا ہے — توراۃ، زبور اور انجیل — وہ اب کہاں ہیں، اور کیا موجودہ زمانے میں پائی جانے والی "الکتابُ المقدّس"، بالخصوص عہدِ جدید، انہی کتب کا متبادل یا تسلسل ہے جن کا حوالہ قرآن میں دیا گیا ہے؟ اس سوال کی اہمیت اس لیے بھی دوچند ہو جاتی ہے کہ قرآن میں عیسیٰ ابن مریم اور الانجیل کا ذکر غیر معمولی تکرار، مرکزیت اور نہایت وزنی بیانیے کے ساتھ وارد ہُوا ہے، جس کے نتیجے میں قاری کے ذہن میں یہ اشکال لازماً پیدا ہو گا کہ اگر اطاعت، اتباع اور ہدایت کا براہِ راست ربط "الانجیل اور عیسیٰ" کے ساتھ جوڑا جا رہا ہے تو پھر عملی سطح پر اس کا مفہوم اور مظاہرہ کیا ہے؟

قرآن پر تدبّر سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ توراۃ، زبور اور انجیل کو کہیں بھی جامد، مدوّن، جلد بند یا تاریخی مجموعات کے طور پر متعارف نہیں کروایا گیا، بلکہ یہ سب اپنی اصل میں وحی پر مبنی، الٰہی ہدایات ہیں جو مخصوص شخصیات کے ذریعے مخصوص اَدوار میں نازل/ظاہر ہوئیں۔ توراۃ کا تعلق موسیٰ سے ایک قانونی اور ہدایتی کتاب کے طور پر سامنے آتا ہے، مگر دلچسپ اَمر یہ ہے کہ قرآن، توراۃ کو مسلسل موسیٰ کے ذاتی نام کے ساتھ بطورِ ملکیت منسوب نہیں کرتا، بلکہ اسے ایک الٰہی ہدایت نامے کے طور پر پیش کرتا ہے جو بنی اسرائیل کی اصلاح کے لیے تھا۔ اسی طرح زبور، جسے داوٗد سے منسوب کیا گیا، اپنی نوعیت میں قانونی ضابطہ نہیں، بلکہ ایک روحانی، مناجاتی، دعائیہ اور اخلاقی صحیفہ ہے، جو داوٗد کی انفرادی روحانی خصوصیت — یعنی حمد، تسبیح اور خشوع — کے عین مطابق ہے۔

جبکہ الانجیل کا معاملہ ان دونوں سے یکسر جداگانہ ہے۔ قرآن میں الانجیل کو نہ صرف ایک کتاب بلکہ ایک زندہ، متحرک، سرگرمِ عمل م اخلاقی اور روحانی نظام کے طور پر پیش کیا گیا ہے جو براہِ راست عیسیٰ ابن مریم کی ذات کے ساتھ وابستہ ہے۔ عیسیٰ =معہ ے کو محض الانجیل کا حامل نہیں بلکہ اس کا مجسّد اظہار دِکھایا گیا ہے۔ کیونکہ وہ کوئی کلام نہیں بلکہ خود کلمۃُ اللہ ہیں، روحٌ منہ ہیں، اور ان کی زندگی، تعلیم، کردار اور فیصلے، الانجیل کے عملی مَظاہر ہیں۔ اسی لیے قرآن میں بار بار عیسیٰ =معہ ے کی اتباع، ان کی اطاعت، اور ان کے راستے کو "ھٰذا صراط مستقیم" جیسی مہتم بالشان تعبیر سے نوازا گیا ہے۔

یہاں یہ نکتہ نہایت اہم ہے کہ قرآن کہیں بھی یہ تقاضا نہیں کرتا کہ بعد کے اَدوار میں مرتب ہونے والے تاریخی متون، کلیسائی مجموعات یا عقائدی تداوین کو بعینہٖ وحیِ الٰہی سمجھ کر اختیار کر لیا جائے۔ موجودہ بائبل، بالخصوص عہدِ جدید، تاریخی طور پر مختلف اناجیل، خطوط اور روایتی بیانات کا مجموعہ ہے جو کئی دہائیوں بلکہ صدیوں بعد مدوّن ہُوا۔ قرآن نہ تو اس مجموعے کی توثیق کرتا ہے اور نہ ہی اس کی صراحتاً نفی کرتا ہے، بلکہ ایک اصولی معیار فراہم کرتا ہے کہ: جو چیز عیسیٰ کے قرآنی، اخلاقی اور توحیدی پروفائل سے ہم آہنگ ہو، وہ قابلِ قبول ہے، اور جو اس معیار سے انحراف کرے، وہ قرآن کے میزان میں قابلِ حجت نہیں۔

پس، عیسیٰ =معہ ے کی پیروی کرنے والوں پر کسی موجودہ مذہبی مجموعے کی اندھی اطاعت فرض نہیں کی گئی، بلکہ ان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ عیسیٰ کی اُس تعلیم، اُس اخلاق، اُس اطاعتِ الٰہی، اور اُس صراطِ مستقیم کی پیروی کریں جو قرآن میں خود بیان ہوا ہے۔ الانجیل، اس تناظر میں، ایک زندہ و پائندہ کتابی حقیقت ہے جو عیسیٰ =معہ ے کی ذات، دعوت اور فیصلوں میں مجسّم ہو کر سامنے آتی ہے، نا کہ محض ایک مخطوطہ یا مطبوعہ متن؟

یوں، یہ باب اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ قرآن کا قاری اگر "عیسیٰ اور الانجیل" کی مرکزیت کو سنجیدگی سے لیتا ہے تو اسے کسی مذہبی مخمصے یا تاریخی الجھن میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ قرآن خود ایک واضح، مُہیمن، خود کفیل اور اصولی فریم فراہم کر دیتا ہے جس کی کسوٹی پر سابقہ کتابیں، موجودہ متون، اور دینی اطاعت

کے تمام دعووں کو پرکھا جاسکتا ہے۔ اصل اطاعت متن کی نہیں بلکہ اُس زندہ کتابی حقیقت کی ہے جو قرآن کے اندر عیسیٰ بن مریم کی صورت میں پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہو گئی ہے۔

📘 (اِس حصے کی تلخیص اور ایک عام اعلانِ دستبرداری)

خوب واضح رہے: یہ باب اس لیے نہیں لکھا گیا کہ قاری کو کسی نئے دین یا مذہب میں داخل کیا جائے،
بلکہ اس لیے کہ وہ، قرآن کے اپنے بیانیے کو اس کی پوری دیانت، جرأت اور معنوی وُسعت کے ساتھ سمجھ سکے۔
لہٰذا اس کتاب کے قاری کے لیے یہ بات پورے اعتماد و اطمینان سے کہی جا سکتی ہے:

عیسیٰ اور انجیل کا اس کتاب میں بار بار ذکر: کسی مسیحی عقیدے کی تبلیغ یا کسی مذہبی تبدیلی کی دعوت ہرگز نہیں ہے۔ اور نہ یہ تکرار مسیحیت یا عیسائیت کی طرف جھکاؤ کا اظہار ہے، بلکہ یہ صرف اور صرف قرآن کے اپنے بیانیے اور اس کے داخلی نصوص کے ساتھ عین وفاداری کا تقاضا ہے۔ اس کتاب کے ذریعے نہ کسی قاری کو بائبل کے سامنے سر جھکانے کی دعوت دی جارہی ہے، نہ کلیسا، نہ چرچ، نہ پوپ اور نہ کسی مذہبی ادارے کی اطاعت کا کوئی بلاوا دیا جارہا ہے، اور نہ ہی کسی تاریخی یا کلیسائی روایت کو قرآن پر فوقیت دی جارہی ہے۔ یہ مطالعہ: کسی مذہبی مشن، تبلیغی ایجنڈے، یا نظریاتی مشینری کا قطعاً کوئی حصہ نہیں، بلکہ یہ خالصتاً ایک نصّی، علمی اور قرآنی تجزیہ ہے، جو خود قرآن ہی کے اندر رہتے ہوئے اپنا مقدمہ قائم کرتا ہے۔ اس کتاب کا اصولی اور بنیادی منشاء یہ ہے کہ قرآن کے اپنے واضح، صریح اور خود کفیل نصوص کی روشنی میں رہتے ہُوئے وحیِ عیسیٰ = ܥܝܣܐ کو اُس کے اصل توحیدی، اخلاقی، روحانی اور نجات بخش مقام پر واپس رکھا جائے جس مقام پر خود قرآن انہیں پیش کرتا ہے۔ یہ کوشش نہ کسی بیرونی مذہب کی توثیق کرتی ہے اور نہ کسی داخلی مذہبی روایت کی بطورِ جذباتی ردِ عمل کوئی نفی کرتی ہے، بلکہ ایک سنجیدہ سوال کا تحقیقی اور علمی تعاقب ہے کہ: اگر قرآن کو واقعی کتابِ مبین مانا جائے تو پھر اس کے اپنے بیانیے، اس کی اپنی ترجیحات، اور اس کی اپنی مرکزی اور حتمی شخصیت کو بیرونی روایات کے بجائے نصوصِ قرآنیہ کے میزان پر کیوں نہ پرکھا جائے؟ لہٰذا: اِس کتاب کو کسی مسیحی تبلیغ، بین المذاہب سیاست، یا کسی خفیہ فکری منصوبے کے طور پر دیکھنا ایک بنیادی غلط فہمی کہلائے گی۔ یہ مطالعہ قرآن کے ایک سنجیدہ متعلّم کی طرف سے قرآن ہی کے متن کے ساتھ ایک دیانت دار مکالمہ ہے، نہ اس سے کم اور نہ اس سے کچھ زیادہ!!!

عیسیٰ، انجیل، توراۃ اور زبور — یہ سب قرآن کے داخل ہی میں موجود ہیں۔ مگر قرآن کے تابع، قرآن کے میزان پر، اور قرآن کے اصولِ توحید کے اندر۔۔۔ یہی وہ اطمینان ہے جس کے بغیر یہ کتاب ادھوری رہتی — اور جس کے ساتھ اس کا قاری سوال سے نہیں ڈرتا، بلکہ سچائی کی معیت میں پوری حوصلہ مندی کے ساتھ کھڑا رہ سکتا ہے۔

(کتاب⇄رسول⇄نسبت)

قرآن	انجیل	زبور	تورات	پہلو
القرآن	الانجیل	الزبور	التوراۃ	کتاب کا نام
❌ کسی شخص کے نام سے منسوب نہیں	عیسیٰ کو دی گئی	داؤد کو دی گئی	بنی اسرائیل کو دی گئی	کتاب کی صریح نسبت
نَزَّلَ الْكِتَابَ / أُنْزِلَ	آتیناہ الانجیل	آتینا داود زبورا	آتینا موسیٰ الکتاب	براہِ راست نسبت کا اسلوب
❌ غیر شخصی، غیر نسبی	✓ شخصی	✓ شخصی	✓ شخصی و نسبی	کتاب + نبی کا واضح ربط
مبلغ، داعی	کلمہ، روح، آیۃ، رحمۃ	تسبیح و ذکر کا حامل	شریعت نافذ کرنے والا	رسول کا کردار
الناس/العالمین	بنی اسرائیل + انسانیت	بنی اسرائیل	بنی اسرائیل	کتاب کا مخاطب
میزان، فرقان، تبیان	ہدایت و اخلاق	ذکر و مناجات	شریعت	کتاب کی نوعیت
الٰہی وعدہ 15:9	تاریخی	تاریخی	تاریخی	کتاب کی حفاظت

🔎 **قرآنی مشاہدہ:** الکتاب جان بوجھ کر قرآن کو **شخصی نسبت** سے بالکل آزاد رکھتی ہے، جبکہ سابقہ کتب میں یہ نسبت واضح اور صریح ہے۔

📘 حصہ سوم — شق (1): <u>الکتاب کے واضح نصوص کے مطابق، کیا محمد ابن عبد اللہ کی نبوت، رسالت اور خاتمیت ثابت ہوتی ہے؟</u>

(Problem Statement) تمہید:

اسلامی روایت میں محمد ابن عبد اللہ کو: نبی، رسول، خاتم النبیین، ماننا ایمانیات کی اساسِ اوّل قرار دیا جاتا رہا ہے۔

تاہم زیرِ نظر باب کا سوال **موروثی اور روایتی نہیں بلکہ قرآنی اور نصّی** ہے:

کیا الکتاب (قرآن) کے واضح، خود کفیل اور غیر روایتی نصوص سے یہ تینوں دعوے قطعی طور پر ثابت ہوتے ہیں؟

یہ باب اسی سوال کی اندرونی **کتابی شہادت یعنی انٹرنل ٹیکسٹول ایویڈنس** کی بنیاد پر تنقیدی جائزہ پیش کرتا ہے، بغیر کسی حدیث، سیرت، اجماع یا بعد از قرآن لکھوائی گئی تاریخ کا سہارا لئے۔

📘 حصہ سوم — شق (2): <u>کتابی منہجِ اثبات: نبوت و رسالت کیسے ثابت ہوتی ہے؟</u>

قرآن میں کسی شخصیت کی نبوت/رسالت درج ذیل طریقوں سے ثابت ہوتی ہے:

- **براہِ راست خطاب:** یامُوسیٰ، یاعِیسیٰ، یانُوح
- **واضح انتخابِ الٰہی:** إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ (20:13)
- **کتاب یا وحی کی صراحت:** آتَيْنَاهُ الْكِتَابَ

ذمہ داریٔ شریعت و حکم: أَحْكُم بَيْنَهُم

یہ تمام معیارات، نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ وغیرہ کے بارے میں واضح طور پر پائے جاتے ہیں۔ مگر لفظِ **"محمد"** سے متعلق کچھ بھی نہیں!

•

📘 حصۂ سوم — شق (3): لفظِ "محمد" کے بارے میں قرآن میں جو کچھ نہیں ہے — قرآنی نصوص کی ایک فہرستِ نفی

لفظِ "محمد" کے قرآنی استعمالات کو اگر محض موجودگی کے بجائے عدمِ موجودگی کے زاویے سے پڑھا جائے تو ایک نہایت فیصلہ کن نصّی حقیقت منکشف ہوتی ہے۔ قرآن صرف یہ نہیں بتاتا کہ لفظِ "محمد" کہاں وارد ہوا ہے، بلکہ اس سے کہیں زیادہ معنی خیز طور پر یہ دکھاتا ہے کہ اس لفظ کے ساتھ وہ سب کچھ وارد نہیں ہوتا جو قرآن میں کسی منصبی، مرکزی اور مطاع ہستی کے ساتھ لازماً جُڑا ہوتا ہے۔ قرآن کا ایک مستقل اسلوب یہ ہے کہ جس شخصیت کو وحی کی اتھارٹی، اخلاقی مرکزیت یا تشریعی منصب حاصل ہو، اس سے براہِ راست خطاب کیا جاتا ہے۔ اسی لیے موسیٰ، عیسیٰ، ابراہیم، نوح اور دیگر انبیاء کے لیے "یا" کے ندائی فقرے، مکالماتی جملے اور براہِ راست الٰہی خطاب بار بار سامنے آتا ہے۔ اس کے برخلاف پورے قرآن میں ایک بھی مقام ایسا نہیں جہاں "یا محمد"، "قل یا محمد" یا کسی بھی نوع کا براہِ راست خطاب موجود ہو۔ یہ عدمِ تخاطب، محض ادبی خاموشی نہیں بلکہ اس بات کی صریح علامت ہے کہ قرآن نے اس لفظ کو بیانیاتی مرکز بنانے کا ارادہ ہی نہیں کیا۔ اسی طرح قرآن میں ہر نبی کے لیے کسی نہ کسی سطح پر انتخابِ نبوت، اِصطفاء یا بعثت کا باضابطہ اعلان ملتا ہے۔ موسیٰ کے لیے خصوصی انتخاب، ابراہیم کے لیے اِمامت، اور دیگر انبیاء کے مجموعی ادارے کے لیے اِصطفاء کی صراحت موجود ہے، مگر لفظِ "محمد" کے ساتھ نہ انتخاب کا اعلان ہے، نہ بعثت کی تفصیل ہے، نہ نبوت کے آغاز کا کوئی لمحہ ہے، اور غارِ حراء میں جبرئیل نامی کسی ہستی کا ذکر ہے، نہ مکہ میں دعوت الی اللہ کی شروعات کا کوئی تذکرہ۔ یہ گہری خاموشی اُس وقت اور زیادہ معنی خیز ہو جاتی ہے جب ہم وحی کے آغاز اور تسلسل کے قرآنی بیانات کو دیکھتے ہیں۔ موسیٰ کے لیے وادیِ طُویٰ، عیسیٰ کے لیے انجیل کی عطاء، داؤد کے لیے زبور — ہر جگہ کتاب، نوعیت اور نسبت واضح ہے، جبکہ لفظِ "محمد" کے ساتھ نہ پہلی وحی کا ذکر ہے، نہ نبی بنائے جانے کا کوئی عندیہ، نہ نزول کا کوئی منظر، نہ کسی کتاب کے عطا کیے جانے کی خبر۔ حتیٰ کہ جہاں "بِمَا نُزِّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ" کہا گیا ہے، وہاں بھی نہ کتاب کا نام ہے، نہ اس کا دائرۂ کار، بلکہ ماضی مجہول اور غائب کے صیغے میں بس معلق رکھ دیا گیا۔ جو کہ دیگر نبیوں کے ساتھ قرآن کے عمومی اسلوب کے سرتاسر خلاف ہے۔

اسی طرح تشریع، حکم اور قانون سازی کے باب میں بھی یہی خلاء اور خاموشی بدستور قائم رہتی ہے۔ قرآن میں جہاں شریعت یا حکم کا ذکر ہے وہاں تورات، انجیل، کتاب اور حکم جیسے الفاظ صراحت کے ساتھ آتے ہیں، مگر لفظِ "محمد" کسی بھی مقام پر نہ شریعت کا منبع بنتا ہے، نہ حکم دینے والا، نہ قانون نافذ کرنے والا۔ یہ نکتہ خاص طور پر اس لیے اہم ہے کہ بعد کی اسلامی روایت میں محمد ابن عبد اللہ کو باضابطہ مرکزی قانون ساز اور تشریعی اتھارٹی کے طور پر پیش کیا گیا، جبکہ قرآن کا متن خود اس نسبت کو کسی ایک جگہ بھی مقرر نہیں کرتا۔

اتباع، اطاعت اور نجات کے قرآنی بیانیے میں بھی یہی فرق پورے وزن کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ قرآن میں اطاعت ہمیشہ کسی واضح مرکز کے ساتھ مشروط ہوتی ہے، جیسا کہ عیسیٰ کے "اتبعونی" میں، یا، رسول کو بطورِ منصب اطاعت کا محور بنانے میں، مگر لفظِ "محمد" کے ساتھ نہ اتباع کی شرط ملتی ہے، نہ اطاعت کا حکم، نہ نجات یا مغفرت کی کوئی نسبت۔ ایک بھی ایسی آیت موجود نہیں جو یہ کہے کہ محمد کی اتباع و اطاعت نجات کا ذریعہ ہے۔

اسی طرح معجزات اور ماورائی تائید کے باب میں قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ جہاں معجزہ ہوتا ہے وہاں نام، واقعہ اور فعل واضح ہوتا ہے۔ موسیٰ کا عصا، عیسیٰ کا مُردوں کو زندہ کرنا، صالح کی اونٹنی — سب کچھ صراحت کے ساتھ بیان ہُوا ہے، مگر لفظِ "محمد" کسی ایک بھی معجزے، خارقِ عادت واقعے یا فوق الفطرت تائید سے منسلک نہیں کیا گیا۔ مزید برآں، قرآن میں کئی انبیاء کی سوانحی جھلکیاں موجود ہیں: ان کی پیدائش، قوم، خاندان، جدوجہد اور انجام، مگر لفظِ "محمد" کے ساتھ نہ

"ابن عبد اللہ" کا تعارف ہے، نہ خاندان، نہ قبیلہ، نہ جائے پیدائش، نہ زندگی کا کوئی مرحلہ۔ یہ سوانحی سکوت اور فقدان، قرآن کے اندر کسی اور شخصیت کے ساتھ نہیں مِلتا۔ یہ تمام منفی خصوصیات ایک مضبوط اور مربوط نصّی حقیقت کو تشکیل دیتے ہیں کہ: قرآن نے لفظِ "محمد" کو دیدہ و دانستہ طور پر غیر خطابی، غیر مرکزی، غیر تشریعی اور غیر اسکاٹولوجیکل حیثیت میں رکھا ہے۔ چنانچہ یہ کہنا محض قیاس نہیں بلکہ متنِ قرآن پر مبنی تدبّرانہ اور علمی مشاہدہ ہے کہ قرآن میں لفظِ "محمد" ایک مکمل سوانحی، تشریعی اور مُطاع نبی کی صورت میں نہیں بلکہ زیادہ قرینِ قیاس ہے کہ یہ صرف ایک وصفی یا منصبی عنوان کے طور پر وارد ہوا ہے۔ یہ فرق لفظِ محمد کی تاریخی یا اخلاقی عظمت کی نفی بالکل نہیں، بلکہ قرآن کے اپنے بیانیے کو اس کی داخلی منطق کے ساتھ پڑھنے کا فطری نتیجہ ہے، اور یہی اس باب کا اصل علمی وزن اور فکری چیلنج ہے۔

📘 حصۂ سوم — شق (4): کیا قرآن، لفظِ محمد کی نبوت کو ثابت کرتا ہے؟

- کسی بھی مقام پر بطورِ صریح تعارف یہ نہیں کہا گیا: إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ مُحَمَّدًا - أَرْسَلْنَا إِلَىٰ مُحَمَّدٍ - أُوحِيَ إِلَىٰ مُحَمَّدٍ - قُلْ يا مُحَمَّدُ
- اکثر مقامات پر: قُلْ آیا تو ہے، مگر مخاطب کا نام غائب۔ النبي بطورِ منصب آیا تو ہے، مگر معرفہ نام کے بغیر

لھٰذا: قرآنی نص کی سطح پر لفظِ محمد کی نبوت، صرف ایک روایتی مفروضہ ہے، کوئی صریح ثبوت نہیں!

📘 حصۂ سوم — شق (5): رسالت کا مسئلہ: رسول کون ہوتا ہے؟

"قرآن کے مطابق" رسول وہ ہوتا جو:

- واضح پیغام لاتا ہو
- سابقہ کتاب کی تصدیق کرتا ہو
- نئی شریعت یا حکم کا حامل ہوتا ہو
- اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا ہو

یہ سب عیسیٰ = معمد کے بارے میں پوری صراحت کے ساتھ ظاہر کِیا گیا ہے: إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ (3:49) (61:5)

جبکہ لفظِ **"محمد"** کے متعلق: صرف مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ (48:29)

- یہ ایک مجہول اور نامعلوم اسلوب میں **خبری یا تمجیدی فقرہ** ہے، نا کہ رسالت کا باضابطہ انتخاب یا نبوِی بعثت کا باقاعدہ اعلان؟

یہاں بھی: نہ مخاطب واضح ہے، نہ رسولیت کا دائرہ بتایا گیا ہے، نہ کسی کتاب سے کوئی براہِ راست نسبت کو جوڑا گیا ہے، یعنی ہر زاویہ سے نامعلوم!

-

📘 حصۂ سوم — شق (6): "خاتَم النبیین" (33:40) — قطعی یا محض تأویلاتی عقیدہ؟

آیت: وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ

اہم نکات: لفظِ "خاتَم" لُغوی طور پر، مُہر، تکمیل، انجام

- الکتاب میں کہیں بھی **"آخری نبی"** کی صریح ترکیب نہیں

- آیت کا اصل سیاق **نسبی باپ کی نفی** ہے، کوئی عقیدہ سازی نہیں
- الکتاب کا متن یہ اجازت دیتا ہے کہ: خاتم = مہرِ تصدیق
- یا ایک مخصوص نبوی زنجیر (بنی اسرائیل) کی تکمیل

عالمگیر اور زمانی اختتام کا مفہوم: الکتاب کے متن سے لازم نہیں بلکہ موروثی روایت سے مستعار لیا گیا ہے!

📘 حصۂ سوم — شق (7): لفظِ "محمد" اور وحی — ایک بنیادی اور حیران کُن خلاء

الکتاب کے اندر: کلّم اللہُ موسیٰ : موسیٰ - آتیناہ الانجیل : عیسیٰ

- مگر لفظِ "محمد" کے بارے میں: کوئی براہِ راست وحی کا مکالمہ نہیں، کسی بھی کتاب کے دِیے جانے کا اعلان نہیں، اور کسی بھی معجزے کا ذکر نہیں۔

📘 حصۂ سوم — شق (8): ٹیکسٹول کنکلوژن یعنی متنیاتی نتیجہ

قرآن کے **واضح، خود کفیل اور داخلی نصوص** کی صاف روشنی میں:

1. محمد ابن عبد اللہ کی نبوت ⟶ الکتاب کے صریح نص سے ثابت نہیں
2. ان کی رسالت ⟶ محض خبر پر مبنی تعبیر ہے، کوئی صراحتی انتخابی اعلان نہیں
3. ان کی خاتمیت ⟶ لغوی اور سیاقی طور پر صرف تاویلاتی ہے، کوئی قطعی الدلالۃ ثبوت نہیں

- لہٰذا: لفظِ "محمد" سے **منسوب کی گئی نبوت، رسالت اور خاتمیت**

قرآن کا براہِ راست دعویٰ نہیں کہلاتا، بلکہ قرآن کے بہت بعد میں آنے والی، روایات کا وضع کردہ اعتقادی نتیجہ ہے!

اہم ترین ملحوظہ: یہ مقالہ، لفظِ محمد کی تاریخی یا تہذیبی حیثیت کا انکار نہیں، نہ کسی تقدس یافتہ فرد پر حملہ ہے بلکہ صرف یہ آئینہ دِکھاتا ہے کہ:

- **قرآن، اپنے نصوص میں جس خاموشی، ابہام اور غیر شخصی انداز سے بولتا ہے وہ روایات میں کئے گئے خودساختہ دعووں کے تیقّن کو تسلیم نہیں کرتا!**

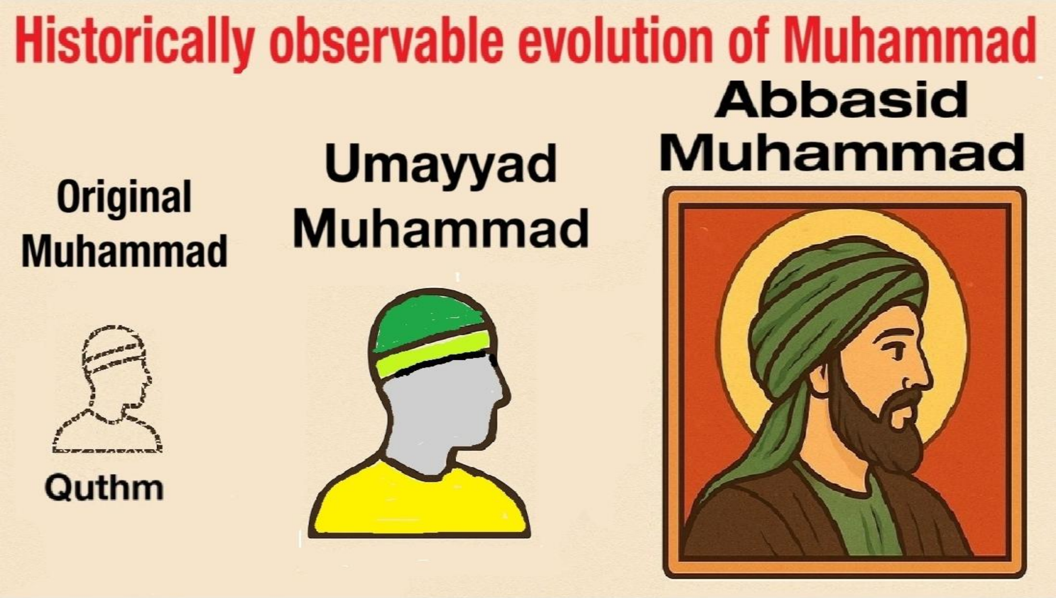

یہ خاکہ فقط ایک تحقیقی و تاریخی مفروضے کی بصری توضیح ہے۔ جس کا مقصد کسی مذہبی عقیدہ، مقدس شخصیت یا روایت کی توہین نہیں، بلکہ یہ خاکہ صرف علمی بحث کو واضح کرتا ہے

القبۃالصخرۃ، کوئی سوانحی اعلان یا توحیدی/مسیحیاتی بیانیہ؟

S بسم الله الرحمن الرحيم لا اله الا الله وحده لا
شريك له له الملك وله الحمد يحيي و يميت وهو
على كل شيء قدير محمد عبد الله ورسوله
SE ان الله و ملئكته يصلون على النبي يايها الذين امنوا
صلوا عليه وسلموا تسليما صلى الله عليه و السلم
عليه ورحمت الله يا اهل الكتب لا تغلوا في دينكم
E و لا تقولوا على الله الا الحق انما المسيح عيسى ابن
مريم رسول الله و كلمته القيها الى مريم وروح
منه فامنوا بالله ورسله ولا تقولوا ثلثة انتهوا
NE خيرا لكم انما الله اله وحد سبحنه ان يكون له ولد
له ما في السموت وما في الارض وكفى بالله
وكيلا لن يستنكف المسيح ان يكون

N عبدا لله ولا الملئكة المقربون ومن يستنكف
عن عبدته ويستكبر فسيحشرهم اليه جميعا
اللهم صل على رسولك و عبدك عيسى
NW ابن مريم و السلم عليه يوم ولد و يوم يموت
ويوم يبعث حيا ذلك عيسى ابن مريم قول الحق
الذي فيه تمترون ما كان لله ان يتخذ من ولد سبحنه
W اذا قضى امرا فانما يقول له كن فيكون ان الله ربي وربكم
فاعبدوه هذا صرط مستقيم شهد الله انه لا اله
الا هو والملئكة واولوا العلم قيما بالقسط لا اله الا هو
SW العزيز الحكيم ان الدين عند الله الاسلم وما اختلف الذين
اوتوا الكتب الا من بعد ما جاءهم العلم بغيا بينهم ومن
يكفر بايت الله فان الله سريع الحساب

S بسم الله الرحمن الرحيم لا اله الا الله وحده لا شريك
له قل هو الله احد الله الصمد لم يلد و لم يولد و لم
يكن له كفوا احد محمد رسول الله صلى الله عليه
SW بسم الله الرحمن الرحيم لا اله الا الله
وحده لا شريك له محمد رسول الله
ان الله و ملئكته يصلون على النبي
W يايها الذين امنوا صلوا عليه و سلموا
تسليما بسم الله الرحمن
الرحيم لا اله الا الله وحده الحمد
NW لله الذي لم يتخذ ولدا و لم يكن له
شريك في الملك ولم يكن له ولي
من الذل وكبره تكبيرا محمد رسول ال...

N له صلى الله عليه و ملئكته ورسله و السلم
عليه ورحمت الله بسم الله الرحمن
الرحيم لا اله الا الله وحده لا شريك له
NE له الملك و له الحمد يحيي و يميت و هو على
كل شيء قدير محمد رسول الله صلى الله
عليه و يقبل شفعته يوم القيمة في امته
E بسم الله الرحمن الرحيم لا اله الا الله وحده
لا شريك له محمد رسول الله صلى الله
عليه بنى هذه القبة عبد الله عبـ...
SE الله الامام المامون امير المومنين في سنة
اثنتين و سبعين تقبل الله منه ورضي
عنه امين رب العلمين لله الحمد

تمہید:

اسلامی تاریخ نویسی میں عام طور پر یہ مفروضہ مسلّمہ سمجھ لیا گیا ہے کہ قبۃُ الصخرۃ (691–692ء) کی اندرونی حصے میں مندرجہ عبارت براہِ راست اور بلاواسطہ طور پر **محمد بن عبد اللہ** (روایتی نبیِ اسلام) کی طرف ہی اشارہ کرتی ہے۔ مگر اس عبارت کو جب **نصّی، سیاقی، تاریخی اور بیانیاتی** سطح پر جانچا پرکھا جائے تو یہ مفروضہ، شدید سوالات کی زد میں آجاتا ہے۔۔۔ یہ باب دراصل انہی سوالوں کے تحقیقی جوابات پیش کرتا ہے:

قبۃ الصخرۃ کو عام طور پر "اسلام کی اولین اور عظیم ترین یادگار" کہا جاتا ہے، مگر اس کی نوعیت کسی مسجد کی نہیں:

- نہ یہ مسجدِ جمعہ تھی۔ نہ یہاں شریعتی عبادات کا کوئی ثبوت تھا۔ نہ یہ فقہی یا امتی ادارہ تھا

بلکہ یہ تاریخی طور پر ایک یادگاری اعلان یعنی "مونو مینٹل پروکلے میشن ہے" یعنی ایک ایسا تہذیبی اور اعتقادی اعلان، جو بازنطینی مسیحیت کے عین بالمقابل کھڑا کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا کتبہ: نماز، روزہ، حج، امت، فقہ، احکام کے بجائے براہِ راست درجِ ذیل موضوعات پر مرکوز ہے۔

- اللہ کی وحدانیت
- عیسیٰ ابن مریم کی عبدیت
- تثلیث کی مطلقاً نفی
- "ابن اللہ" کے عقیدے کی صریح تردید

یہ سب موضوعات، قرآن کے مسیحیاتی مناظراتی مقامات سے براہِ راست ہم آہنگ ہیں (19:30-36) (4:17) (15:72-75)

اِس عبارت کا مرکزی مخاطب: مسلمان یا مسیحی؟ عبارت کا داخلی اسلوب، مروجہ اسلامی تعلیم نہیں، بلکہ اس کا اصل مخاطب واضح طور پر مسیحی ہیں!

- ذٰلک عیسیٰ ابن مریم و قول الحق الذی فیہ یمترون
- لن یستنکف المسیح ان یکون عبداً لِله
- "لم یلد ولم یولد"
- "ما کان للہ ان یتخذ من ولد"
- یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم
- "انما المسیح عیسی ابن مریم رسول اللّٰہ"
- والسلام علیہ یوم وُلد ویوم یموت ویوم یُبعث حیاً
- اللّھم صلّ علی رسولك و عبدك عیسی ابن مریم و السلام علیه یوم وُلد و یوم یموت و یوم یُبعث حیًّا
- محمد رسول الله   ذلك عیسی ابن مریم قول الحق الذي فیه   یمترون

یہ سب جملے کسی مسلمان کو قائل کرنے کے لیے نہیں، بلکہ بازنطینی مسیحیت کے خلاف عیسیٰ کی اُلوہیت کے دعوے کے رد میں بیان ہُوئے ہیں۔

لھذا، یہ عبارت، مُروجہ اسلام کی داخلی تشکیل کا اظہار نہیں، بلکہ اُس زمان مکان کی تثلیثی مسیحیت کے بالمقابل ایک توحیدی اعلان ہے!

اب ہم اِس عبارت کے سب سے متنازع فقرے کی طرف آتے ہیں، اور وہ ہے: **محمد عبد الله و رسوله - محمد رسولُ الله**

اہم سوال یہ نہیں کہ یہ فقرہ موجود ہے، بلکہ اہم سوال یہ ہے کہ **یہ فقرہ ہے کیا؟** اگر یہ فقرہ کوئی سوانحی اعلان ہوتا تو کم از کم درجِ ذیل میں سے کچھ تو ضرور ہوتا:
محمد بن عبد اللہ، نسب، قبیلہ، جغرافیائی نسبت (مکہ/قریش/عرب)، زمانی یا تاریخی حوالہ — لیکن ان میں سے یہاں کچھ بھی موجود نہیں۔

- یہاں لفظِ **"محمد"**: نہ معرف باللام ہے، نہ کسی تاریخی یا جغرافیائی شناخت کے ساتھ جڑا ہے، نہ کسی واقعاتی سیاق میں آیا ہے

یہ محض: رسول ہونے کا تذکرہ ہے، مگر کسی شخصیت کا تعارف نہیں۔

تاریخ کا خاموش خلاء: محمد ابن عبد اللہ ہیں کہاں؟ سن 691ء تک تو

- محمد ابن عبد اللہ کی کوئی ہم عصر بائیو گرافی موجود ہی نہیں تھی
- غیر مسلم مصادر میں ان کا واضح تعارف تو تھا ہی نہیں
- سیرت اور مغازی کا مواد اُس وقت کے بھی **کم از کم ایک صدی بعد** مرتب کِیا گیا

اس لیے یہ دعویٰ کرنا کہ: "اُس وقت سب جانتے تھے کہ محمد کون ہیں"، یہ ایک **بعد ازاں قائم کی گئی محض مفروضاتی قرائت** ہے، جبکہ مجموعی طور پر خود اس عبارت کی نص ایسی مفروضہ قرائت کی نہ تائید کرتی ہے نہ توثیق۔

خلاصہ: قبۃ الصخرۃ کی یہ عبارت ہمیں سِکھاتی ہے کہ اسلام کی ابتدائی تشکیل **سوانحی سے پہلے اعتقادی** تھی، اور "محمد رسول اللہ" جیسا فقرہ، پہلے پہل تو صرف بیانیہ تھا، مگر بہت بعد میں جا کر **"باقاعدہ سوانحی مرکزیت"** اختیار کرتا ہے — یہ باب اسی فکری دروازے کو کھولتا ہے، جسے صدیوں سے عمداً بند رکھا گیا تھا۔

قرآن کے مجموعی، باہمی مربوط اور داخلی بیانات کی روشنی میں یہ سوال فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے کہ عالمگیر سطح پر مرکزی اور مستقل مُطاع کی حیثیت کس رسول کو حاصل ہے، کیونکہ اگر یہ نکتہ غیر واضح رہے تو پوری کتاب کی فکری بنیاد متزلزل ہو جاتی ہے۔ قرآن کا بنیادی اعلان یہ ہے کہ اطاعت کسی شخص، قوم، نسب یا

سیاسی غلبے سے وابستہ نہیں بلکہ صراطِ مستقیم سے وابستہ ہے،اور یہ صراط کسی تاریخی تسلسل کا نام نہیں بلکہ ہدایتِ الٰہی کے اُس زندہ اور مجسم نمونے کا نام ہے جو انسان کے سامنے عملاً رکھا گیا ہے۔ قرآن میں صراحت کے ساتھ یہ بات بار بار سامنے آتی ہے کہ ''یہی صراطِ مستقیم ہے'' کا جملہ براہِ راست اور غیر مبہم طور پر عیسیٰ ابن مریم کی اتباع کے ساتھ جوڑا گیا ہے، جبکہ یہ نسبت نہ موسیٰ کے ساتھ قائم کی گئی، نہ ابراہیم کے ساتھ، نہ نوح کے ساتھ، اور نہ ہی کسی اور رسول کے ساتھ، جو بذاتِ خود ایک غیر معمولی اور فیصلہ کن امتیاز ہے۔

قرآن میں جہاں جہاں اطاعتِ رسول کا حکم آیا ہے وہاں رسول بطورِ شخص نہیں بلکہ بطورِ منصب سامنے آتا ہے، مگر عیسیٰ ابن مریم کے معاملے میں خود قرآن ان کے قول کو براہِ راست نقل کرتا ہے کہ ''میری اتباع کرو، اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے، اسی کی عبادت کرو، یہی صراطِ مستقیم ہے''۔ یہاں دعوت، اتباع اور صراط تینوں ایک ہی مقام پر جمع ہو جاتے ہیں، اور یہ قرآن کا سب سے مضبوط اور واضح اطاعتی بیان بن جاتا ہے۔ قرآن کی عالمگیریت کا دائرہ بھی اسی نکتے کو واضح کرتا ہے، کیونکہ موسیٰ اور تورات بنی اسرائیل کے ساتھ خاص کیے گئے، داؤد اور زبور بنی اسرائیل کے اندر رہے، اور انجیل بنی اسرائیل سے نکل کر انسانیت تک پہنچی، جبکہ عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں یہ اعلان کیا گیا کہ انہیں تمام انسانوں کے لیے نشانی بنایا گیا، اور یہ ''الناس'' کسی قوم، نسل یا جغرافیے تک محدود نہیں بلکہ پوری بنی نوعِ انسانی پر محیط ہے۔

قرآن قیامت تک کے غلبے کا وعدہ بھی کسی نبی کے پیروکاروں کے بارے میں کہیں بھی نہیں کرتا سوائے عیسیٰ ابن مریم کے، جن کے متبعین کے بارے میں صاف طور پر کہا گیا کہ وہ قیامت تک اپنے مخالفین پر غلبہ و فوقیت میں رہیں گے، اور یہی مستقل اتباع کی سب سے بڑی کتابی سند ہے! مزید بر آں، قرآن میں آخری زمانے کے حوالے سے کسی بھی نبی کو مرکزی کردار نہیں دیا گیا سوائے عیسیٰ = معہد کے، جنہیں قیامت کی نشانی اور علم قرار دیا گیا ہے، نہ بطورِ مقتدر سلطان، نہ بطورِ سیاسی حاکم، بلکہ بطورِ حق کے میزان اور اخلاقی معیار کے۔

ان تمام مجموعی بیانات کی ناگزیر انتہاء یہ ہے کہ قرآن میں عالمگیر، مرکزی اور مستقل مُطاع کی حیثیت کسی بھی انسانی رسول کو بطورِ شخص تفویض نہیں کی گئی، بلکہ یہ حیثیت صرف عیسیٰ ابن مریم کو حاصل ہے، جن کی اتباع کو خود قرآن نے ھٰذا صراط مستقیم کہا ہے، جنہیں انسانیت کے لیے نشانی قرار دیا، جن کے متبعین کو قیامت تک کے لیے معیار بنایا، اور جنہیں آخری زمانے کی علامتِ ساعت ٹھہرایا۔ یوں قرآن میں اطاعت کا مرکز نہ قوم ہے، نہ نسب، نہ سلطنت، نہ تاریخ، بلکہ وہ شاہراہ ہے جسے عیسیٰ ابن مریم نے اللہ کی طرف منسوب کر کے نوعِ انسانی کے سامنے رکھا، اور جسے متعدد بار قرآن نے خود صراطِ مستقیم کا نام دیا ہے۔

ایسا اعتراض کرنا کہ زیرِ نظر باب، قرآن کے مسلّمہ فہم سے کُلّی طور پر انحراف ہے! بذاتِ خود ایک غیر ثابت شدہ دعویٰ ہے، کیونکہ اس باب میں کسی عقیدے، فقہی موقف یا تاریخی روایت پر گفتگو نہیں کی گئی بلکہ صرف اور صرف قرآن کے داخلی، باہمی مربوط اور مجموعی بیانات کا تدبّرانہ تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ جو ناقد ،اس نتیجے کو محض اس بنیاد پر رد کرتا ہے کہ یہ مروجہ مذہبی تصور سے مختلف ہے، وہ دراصل علمی تحقیق کے اصول کو ترک کر کے روایت کو نص پر فوقیت دے رہا ہے، جو کہ کسی بھی سنجیدہ علمی فورم پر قابلِ قبول طرزِ استدلال نہیں۔ 1

یہ باب کسی ایک آیت یا چند منتخب مقامات پر قائم نہیں بلکہ قرآن کے ان تمام نصوص کے اجتماعی مطالعے پر مبنی ہے جہاں اطاعت، اتباع، تحکیم، اُسوہ، عالمگیریت، قیامت تک کی حجیت اور صراطِ مستقیم جیسے تصورات بیان ہوئے ہیں۔ ان تمام دائروں کا بیک وقت اور غیر مشروط طور پر کسی ایک ہی مقام پر مجتمع ہونا ایک قابلِ مشاہدہ قرآنی حقیقت ہے، نا کہ مصنفِ کتاب کی خود ساختہ تعبیر؟ 2

جو کوئی ناقد اس حقیقت کا انکار کرے، اس پر لازم ہے کہ وہ قرآن ہی کے اندر سے کوئی ایسا متبادل مرکز پیش کرے جہاں یہ تمام اوصاف اسی درجہ اہتمام اور دوام کے ساتھ جمع ہو گئے ہوں؛ محض انکار یا جذباتی ردِ عمل دلیل نہیں کہلاتا۔[3]

ایسا کہنا کہ اُمت کے چودہ سو سالہ فہم کو یہ باب باطل قرار دیتا ہے! یہ ایک تاریخی بیان تو ہو سکتا ہے مگر کتابی دلیل نہیں، کیونکہ تاریخ کا وزن اپنی جگہ، اور متن کی لغوی اور سیاقی گنجائش اپنی جگہ ایک جداگانہ حقیقت ہے۔ قرآن نے کہیں یہ اصول قائم نہیں کیا کہ اکثریتی فہم، متن کے ممکنہ معانی کو منسوخ کر دیتا ہے؛ اگر ایسا ہوتا تو قرآن خود تدبر اور تعقل کی دعوت کبھی نہ دیتا۔[4]

یہ اعتراض کہ ایسی تحقیق ایمان کو متزلزل کرتی ہے! یہ بات علمی دائرے میں قابلِ سماعت نہیں، کیونکہ یہ ایک نفسیاتی اندیشہ ہے، نا کہ خود قرآنی استدلال؟ قرآن، ایمان کی بنیاد اندھے اتباع پر نہیں بلکہ شعوری فہم، واضح شہادت اور ذمہ دارانہ قبولیت پر رکھتا ہے۔ جو شخص سوال سے خوف زدہ ہو، وہ دراصل خود اپنے فہم کے کمزور ہونے کا اعتراف کر رہا ہوتا ہے، نا کہ قرآن کے؟[5]

اسی طرح یہ الزام کہ یہ بحث جدید یا بیرونی اثرات کا نتیجہ ہے! محض الزام تراشی ہے، کیونکہ زیرِ بحث تمام سوالات، قرآن کے اپنے الفاظ، ضمائر، خطاب کے اسالیب اور بیانیے کی ترتیب سے پیدا ہوتے ہیں۔ متن سے اٹھنے والے سوالات کو بیرونی سازش کہنا، تحقیق سے فرار کے مترادف ہے۔[6]

یہ باب کسی عقیدے کو منہدم نہیں کرتا بلکہ نص اور روایت کے دائرۂ اختیار کو قانونی طور پر الگ الگ متعین کرتا ہے۔ جو ناقد اس تفریق کو تسلیم کیے بغیر نتیجے کو رد کرتا ہے، وہ دراصل قرآن پر نہیں بلکہ اپنے موروثی فہم پر سوال اٹھانے سے انکار کر رہا ہے۔ اور ایسے ہر انکار کو علمی اختلاف نہیں بلکہ غیر مستند دفاع کہا جائے گا۔[7]

چنانچہ جب تک قرآن ہی کی بنیاد پر اس باب کے مجموعی استدلال کو منہدم نہ کیا جائے، اس کے نتائج کو محض ناپسندیدگی، جذبات یا روایتی دباؤ کی بنیاد پر رد کر دینا علمی دیانت، تحقیقی معیار اور نص کے احترام — تینوں کے خلاف ہے۔[8]

حواشی:

۱۔ روایت کو نص پر فوقیت دینا علمی اصول کے خلاف ہے۔

۲۔ اطاعت، اتباع، اسوہ، تحکیم اور عالمگیریت کے تمام قرآنی مقامات کا مجموعی مشاہدہ۔

۳۔ متبادل قرآنی مرکز کی عدم موجودگی۔

۴۔ اکثریتی فہم اور نص کے لغوی امکانات میں فرق۔

۵۔ ایمان اور اندھے یقین کے مابین قرآنی فرق۔

۶۔ متن سے پیدا ہونے والے سوالات اور بیرونی نظریات میں امتیاز۔

۷۔ نص اور روایت کے خلطِ مبحث کا علمی نقصان۔

۸۔ قرآنی بنیاد کے بغیر اعتراض کی عدم حیثیت۔

یہاں پر بحث کسی عقیدے، مسلکی وابستگی یا تاریخی روایت کی نہیں بلکہ صرف اور صرف قرآن کے اپنے بیانیے، اس کی داخلی منطق اور اس کے مجموعی دعوے کی ہے۔ زیرِ نظر تحقیق نے کوئی خارجی معیار قائم نہیں کیا، کوئی اضافی مفروضہ داخل نہیں کیا، اور نہ ہی قرآن پر کوئی معنی مسلط کیا ہے، بلکہ اس کے تمام نتائج

قرآن ہی کے صریح الفاظ، اس کے اسلوبِ خطاب، اس کے اطاعت و اتباع کے نظام، اور اس کے عالمگیر دعووں کے باہمی تقابل سے برآمد ہوئے ہیں۔ لہٰذا جو شخص ان نتائج کو رد کرتا ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ قرآن ہی کی بنیاد پر یہ ثابت کرے کہ قرآن اپنے مجموعی بیانیے میں کسی اور شخصیت کو وہ مستقل، مرکزی، عالمگیر اور قیامت تک نافذ مُطاع کی حیثیت دیتا ہے جو زیرِ بحث باب میں واضح کی گئی ہے؛ بصورتِ دیگر اس کا ہر اعتراض کوئی دلیل نہیں بلکہ محض دعویٰ بطورِ دعویٰ ہی رہے گا۔

یہ کہنا کہ امت نے صدیوں سے ایک خاص فہم اختیار کر رکھا ہے، اس مقدمے کو باطل نہیں کرتا، کیونکہ قرآن نے کہیں یہ اصول طے نہیں کیا کہ تاریخی فہم نص کے لغوی اور سیاقی امکانات کو منسوخ کر دیتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو قرآن خود تدبر، تعقل، تفکر اور نظرِ ثانی کی دعوت نہ دیا ہوتا۔ اس لیے روایت کا حوالہ دینا اُس وقت تک غیر متعلق ہے جب تک قرآن کے متن سے براہِ راست استدلال پیش نہ کیا جائے۔

اسی طرح، یہ الزام کہ یہ تحقیق ایمان کو کمزور کر دے گی! ایک جذباتی اور سریع الانفعال خوف ہے، نا کہ کوئی قرآنی دلیل؟ قرآن نے ایمان کو سوال سے نہیں بلکہ اندھی تقلید سے خطرے میں بتایا ہے۔ جو شخص متن کے اندر اٹھنے والے سوالات کو دبانا چاہتا ہے، وہ دراصل قرآن کے نہیں بلکہ اپنے موروثی فہم کے تحفظ کی فکر میں مبتلا ہے۔ ایسے تحفظ کو علمی دیانت نہیں کہا جا سکتا۔

یہ کہنا کہ زیرِ نظر نتائج، دشمنانِ اسلام کی سازش ہے! محض ایک دفاعی حربہ ہے، کیونکہ یہاں پیش کیے گئے تمام سوالات، قرآن کے اپنے الفاظ، ضمائر، خطابات، اور بیانی ترتیب سے پیدا ہوتے ہیں۔ متن کے بطن سے جنم لینے والے سوالات کو بیرونی سازش کہنا، دراصل متن کا سامنا کرنے سے مُنہ موڑنا ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ باب کسی عقیدے کی نفی نہیں کرتا بلکہ نص اور روایت کے دائرۂ اختیار کو الگ الگ متعین اور ممیز کر دیتا ہے۔ جو شخص اس امتیاز کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے، وہ علمی اختلاف نہیں بلکہ فکری جمود کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ قرآن کو روایت کے تابع کرنا ایک تاریخی انتخاب ہو سکتا ہے، مگر اسے قرآنی حکم قرار نہیں دیا جا سکتا۔

لہٰذا اس مرحلے پر صورتِ حال بالکل واضح ہے: یا تو ناقد، قرآن کے اندر سے، اس کے مجموعی بیانیے کی روشنی میں، اس باب کے مرکزی استدلال کو منہدم کرے، یا یہ تسلیم کرے کہ اس کا اعتراض محض ناپسندیدگی، خوف یا موروثی دباؤ پر قائم ہے۔ علمی عدالت میں تیسرا کوئی راستہ موجود نہیں۔ یہاں اب دفاع، مصنفِ کتاب کا نہیں، بلکہ ناقدِ کتاب کا مسئلہ بن چکا ہے۔ اور یہ وہ مقام ہے جہاں **بحث بند نہیں ہوتی، بلکہ فیصلہ صادر ہو جاتا ہے!**

اِس باب کا اختتامی قطعہ (Concluding Paragraph)

آخر کار، جب الکتاب کو اس کے اپنے **داخلی بیانیے، لغوی انتخاب، نحوی ساخت، تکراری زور، اور موضوعاتی ترتیب** کے ساتھ پڑھا جائے—اور اسے بہت بعد کی تشریحی روایتوں کے سانچوں میں زبردستی ٹھونسا نہ جائے تو—یہ حقیقت نظرانداز نہیں کی جا سکتی کہ عیسیٰ = معحد کا قرآنی پروفائل کسی "عام نبی" کے زمرے میں سما ہی نہیں پاتا۔ یہ فرق محض عقیدے یا عقلی قیاس کا نہیں، بلکہ خالصتاً **نصّی یعنی** تیسکٹول ہے یعنی وہ فرق ہے جو خود متن اپنی زبان، اپنے اوصاف اور اپنی بیانیاتی ترجیحات کے ذریعے قائم کرتا ہے، نا کہ قاری کی اپنی ذاتی خواہش یا مذہبی موروثات کے ذریعے؟

وحی سے نسبت، "کلمہ" کی منفرد شناخت، "روح" کا خصوصی وصف، پیدائشی معجزہ، مُردوں کو زندہ کرنے کی خصوصی اجازت، تزکیۂ نفوس کا منصب، اخلاقی مثالیت، اطاعت کا مرکز، شفاعت کی گنجائش، گواہی کا منصب، رفع کا غیر معمولی بیان، اور قیامت سے وابستہ علامتی حیثیت—یہ تمام اوصاف کسی ایک ہی شخصیت میں

مجتمع ہو جانا قرآن کے اندر **ایک بے مثال اور غیر مکرر مظہر** ہے۔ یہ اجتماع نہ اتفاقی ہے، نہ استعاراتی، اور نہ محض تمثیلی؛ بلکہ یہ قرآنی بیانیے کی ساخت میں گہرائی سے پیوست شدہ ایک منظم اور مربوط نقشہ ہے، جو بار بار قاری کو اسی شخصیت کی طرف لَوٹنے پر مجبور کرتا ہے۔

اسی بنا پر یہ کہنا محض ایک جذباتی تاثر یا شخصی جھکاؤ نہیں، بلکہ یہ ایک **براہِ راست نصّی مشاہدہ** ہے کہ قرآنی بیانیے میں — اللہ کے بعد — جس شخصیت کو سب سے زیادہ مربوط، ہمہ گیر، اور بلند ترین بیانیاتی مقام و منزلت حاصل ہے، وہ ہیں عیسیٰ ابن مریم۔ دیگر تمام شخصیات، خواہ وہ اپنی تاریخی عظمت، اخلاقی مثال یا اصلاحی کردار میں کتنی ہی بلند کیوں نہ ہوں، قرآنی متن میں عموماً **جزوی، تدریسی، تاریخی یا اخلاقی یا توضیحی کردار** ادا کرتی دکھائی دیتی ہیں، نہ کہ اس جامع مرکزیت کے حامل، جو متعدد موضوعات، زمانوں اور آخرتی تناظر کے سمندر کو ایک کوزے میں سمیٹ دے؟

یہ نتیجہ نہ روایت کی نفی ہے، نہ کسی تاریخی شخصیت کی تحقیر، اور نہ ہی کسی موروثی عقیدے پر یلغار۔ یہ ایک دیانتدارانہ علمی دعوت ہے — اس سوال کی طرف کہ آیا ہم واقعی اس پر آمادہ ہیں کہ الکتاب کو **خود اس کے متن کی بنیاد پر** پڑھیں؛ اس کی داخلی ترجیحات، اس کی تکرارات، اس کے بیانیاتی وزن، اور اس کی موضوعاتی درجہ بندی کو سنجیدگی سے لیں؛ یا ہم اب بھی الکتاب کے متن کو صرف اُن نتائج تک محدود و مقید رکھنا چاہتے ہیں جو ہم پہلے ہی اپنی موروثی روایات کے ذریعے طے کر چکے۔ فیصلہ یہاں روایت کا نہیں، بلکہ قاری اور متن کے درمیان ہونے والی اُس دیانتدارانہ ملاقات کا ہے — جس سے فرار ممکن ہے، مگر جسے مسترد کرنا بھی اب آسان نہیں رہا!

ایک نکتہ سنج ضمیمہ: قرآن کے بیانیے میں شخصیات کا موازنہ جب اختیارات کی سطح پر نہیں بلکہ اخلاقی رویّے، باطنی کیفیت اور عبدیت کے اظہار پر کیا جائے تو ایک نہایت معنی خیز نقشہ اُبھرتا ہے، اور یہی نقشہ دراصل قرآن کی اصل پیمائش ہے۔

عیسیٰ ابن مریم کا معاملہ اس اعتبار سے بھی غیر معمولی ہے کہ انہیں اللہ کی طرف سے ایسے تصرفات کی صریح اجازت دی گئی جو بظاہر تخلیق اور حیات و ممات کے اُلوہی دائرے سے راست تعلق رکھتے ہیں۔ وہ مٹی سے پرندے کی صورت بناتے ہیں، اس میں پھونک مارتے ہیں تو وہ زندہ ہو جاتا ہے، مادرزاد اندھے کو بینائی اور کوڑھی کو شفاء دیتے ہیں، اور مُردوں کو زندہ کر دیتے ہیں، مگر ہر ہر مقام پر یہ تصریح قائم رہتی ہے کہ یہ سب کچھ "**بِإِذْنِ اللهِ**" ہے۔ یعنی مقدرت کی وسعت کے باوجود عبدیت کی سرحد پوری شدت اور احتیاط سے محفوظ رکھی جاتی ہے۔ اسی لئے قرآن واضح اعلان کرتا ہے کہ مسیح اس بات سے ہرگز انکار نہیں کرتے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں، نہ اس نسبت کو اپنے لئے باعثِ عار یا شرمندگی سمجھتے ہیں اور نہ ہی اس سے بلند ہونا چاہتے ہیں۔ یہاں طاقت و قوت کے عروج پر بھی عجز و انکساری اپنی کامل ترین صورت میں جلوہ نما ہے۔

اس کے بالمقابل سلیمان کا کردار سامنے آتا ہے۔ انہیں بھی اللہ نے غیر معمولی نعمتیں عطا کیں، اقتدار، علم، جن و اِنس پر اختیار، اگرچیکہ وہ خود ان نعمتوں پر شکر کی دعاء بھی کرتے ہیں، اپنے والدین کے ساتھ عطا کی گئی نعمتوں کو یاد بھی کرتے ہیں، اور صالح عمل کی توفیق بھی مانگتے ہیں۔ مگر اسی بیانیے کے تسلسل میں ان کے لب و لہجے کی سختی بھی نمایاں ہوتی ہے۔ ہدہد کے معاملے میں سزا، ذبح اور کے کرخت ترین الفاظ سامنے آجاتے ہیں۔ سباء کی ملکہ کے ساتھ مکالمے میں تحفے کو حقارت سے رد کیا جاتا ہے اور لشکروں کے ذریعے ذلت آمیز غلبے کی دھمکی دی جاتی ہے۔ پھر تختِ بلقیس کے حصول کا منظر آتا ہے جہاں طاقت، قوت سرعت اور احساسِ برتری کا مظاہرہ واضح طور پر جھلکتا ہے، حتیٰ کہ ایک عفریتِ جن اس کام کے لئے آگے بڑھتا ہے۔ یہاں اختیار کے ساتھ اقتدار کی ہیبت و جبروت بھی شامل ہو جاتی ہے، اور یہی فرق قرآن کے اخلاقی توازن کو آشکار کرتا ہے۔

اسی منظر میں ملکہ بلقیس کا کردار ایک خاموش مگر گہرا تقابل بن جاتا ہے۔ وہ طاقت رکھتی ہے مگر جلد بازی نہیں کرتی، جنگ کے بجائے مشاورت، سفارت اور عقل کو ترجیح دیتی ہے، اور اقتدار کے باوجود فساد کے انجام کو سمجھتی بوجھتی ہے۔ قرآن کا بیانیہ اس حکمت کو نمایاں کرتا ہے بغیر کسی خطیبانہ دعوے کے۔
پھر ابراہیم کا معاملہ آتا ہے جو اس موازناتی تصویر کو مزید گہرا کر دیتا ہے۔ ابوالانبیاء، اماماً للناس، اور توحید کے سب سے بڑے نمائندہ ہوتے ہوئے بھی وہ مُردوں کے زندہ کئے جانے کی کیفیت کو عملی طور پر دیکھنے کی خواہش کرتے ہیں، جبکہ عیسیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ وہ خود مُردوں کو زندہ کرتے ہیں کیونکہ ان کے پاس اللہ کی خصوصی اجازت جو ہے۔
یوں قرآن کے اندر عیسیٰ، سلیمان، ابراہیم اور بلقیس کے یہ تمام مناظر مل کر یہ واضح کر دیتے ہیں کہ اصل فضیلت اختیارات کی کثرت میں نہیں بلکہ اختیار کے ساتھ برتاؤ میں ہے۔ عیسیٰ کے ہاں کثرتِ مقدرت کے انتہائی مظاہر کے باوجود کامل انکسار۔ سلیمان کے ہاں عظیم نعمتوں کے ساتھ اقتدار کی درشگی۔ ابراہیم کے ہاں ابو لانبیاء ہونے کے باوجود سوال۔ اور بلقیس کے ہاں قوت کے باوجود حکمت اور ٹھیراؤ — یہ سب قرآن کے اخلاقی میزانات کے مختلف زاویے ہیں۔
یہی موازناتی بیانیہ بتاتا ہے کہ الکتاب کسی شخصیت کو محض اس کے معجزے، سلطنت یا منصب کی بنا پر مرکز نہیں بناتی، بلکہ اس کے باطنی رویّے، اس کی عبدیت، اس کے سوال، اور اس کے اختیار کے استعمال کو اصل کسوٹی قرار دیتی ہے۔ اسی لئے عیسیٰ ابن مریم کی شخصیت اس پورے منظر نامے میں ایک منفرد داخلاقی بلندی کے ساتھ سامنے آتی ہے، جہاں اختیارات بھی عبادت بن جاتے ہیں اور طاقت و مقدرت بھی مناجات۔
مزید برآں، قرآن کے اِن جیسے بیانات وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (21:107) اور وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (68:4) یہ مجرد اور رسمی تعریف کے القاب نہیں، بلکہ قرآنی معیار کی ایک نشان دہی ہیں۔ اصل سوال یہ نہیں کہ یہ الفاظ کس کیلئے کہے گئے، بلکہ یہ ہے کہ **قرآن کے مجموعی بیانیے میں اِن جیسے اوصاف کا حقیقی محل اور مجسم مصداق کون ہے؟**
جب قرآن اپنی پیش کردہ شخصیات کو اخلاق، رحمت، ہدایت، آیۃ للناس اور آخرتی معنی کے ساتھ جوڑ کر سامنے رکھتا ہے، تو واضح ہو جاتا ہے کہ **عالمگیر رحمت اور کامل اخلاق** کسی مجرد نسبت میں نہیں، بلکہ ایک ایسی شخصیت میں متجسد ہیں جو، ان جیسی صفات کے ساتھ بار بار نصّی طور پر وابستہ کی گئی ہیں۔ قرآن کی داخلی شہادت کے مطابق، ان اوصاف کا سب سے ہمہ گیر اور عملی ظہور **عیسیٰ ابن مریم** = محمد کی شخصیت میں سامنے آتا ہے۔

قرآن، آخر عیسیٰ ہی کو مرکز کیوں بناتا ہے — اور لفظِ "محمد" کو حاشیے میں کیوں رکھتا ہے؟

Why the Qur'an Centers Jesus — and Marginalizes the word "Muhammad"

ایک نصّی، لسانی اور بیانیاتی تحقیق

تمہید: یہ سوال اہم کیوں ہے؟

اگر قرآن کو خود اس کے دعوے کے مطابق "کتابِ ہدایت"، "مبین" اور "مفصل" متن تسلیم کیا جائے، تو ایک بنیادی سوال محض پیدا نہیں ہوتا بلکہ مسلط ہو جاتا ہے، اور وہ یہ کہ قرآن عیسیٰ بن مریمؑ کے بارے میں غیر معمولی کثرت، تنوع اور بیانیاتی زور کے ساتھ گفتگو کیوں کرتا ہے، جبکہ لفظ "محمد" پورے قرآنی متن میں نہایت محدود، خاموش اور غیر تشریحی انداز میں وارد ہُوا ہے۔ یہ سوال کسی اعتقادی ترجیح کا نہیں بلکہ نصّی توازن یعنی ٹیکسچوئل بیلنس اور بیانیاتی مرکزیت کا

سوال ہے، کیونکہ کسی بھی وحیانی متن میں مرکزی شخصیت کی شناخت اس کے تکرار، خطابات، اوصاف، مکالمات اور اسکاٹولوجیکل کردار سے متعین ہوتی ہے، نا کہ الکتاب کے بہت بعد آنے والی تاریخی تعبیرات سے؟

قرآن کے اندرونی مشاہدے سے واضح ہوتا ہے کہ عیسیٰ ایک کثیر الابعاد، کثیر البیان اور کثیر الاوصاف شخصیت کے طور پر سامنے آتے ہیں: وہ نام لے کر بارہا مذکور ہیں، ایک مکمل سورہ (مریم) کا مرکزی بیانیاتی محور ہیں، متعدد مقامات پر براہِ راست مکالے کا حصہ بنتے ہیں، اور انہیں ایسے القابات عطا کیے جاتے ہیں جو نہ صرف عددی اعتبار سے زیادہ ہیں بلکہ نوعی اعتبار سے بھی منفرد ہیں، مثلاً کلمةٌ منه (۴۵:۳)، روحٌ منه (۱۷۱:۴)، عبدُ الله (۳۰:۱۹)، شاہد (۱۱۷:۵)، آيةً للناس (۲۱:۱۹) اور علمٌ للساعة (۶۱:۴۳)۔ یہ اوصاف محض توصیفی نہیں بلکہ فنکشنل ہیں، یعنی یہ عیسیٰؑ کو وحی، اخلاق، تزکیہ، اطاعت، گواہی اور آخری زمانے کے بیانیے سے جوڑتے ہیں، جو قرآنی متن میں کسی اور شخصیت کے لیے اس جامعیت کے ساتھ جمع نہیں ہوتے۔ الکتاب کے اندر موسیٰؑ سب سے زیادہ دُہرائے گئے نبی ہیں، مگر عیسیٰ وہ اکلوتی شخصیت ہیں جنہیں الکتاب سب سے زیادہ وزن، معنی، اوصاف اور انجام کے ساتھ بول کر دکھاتی ہے۔

اس کے برعکس لفظ "محمد" پورے قرآن میں صرف چار جگہ آتا ہے (۱۴۴:۳؛ ۴۰:۳۳؛ ۲:۴۷؛ ۲۹:۴۸)، اور ان تمام مقامات پر یہ لفظ نہ تو براہِ راست خطاب کی صورت میں آتا ہے، نہ کسی سوانحی تعارف کے ساتھ، نہ کسی معجزاتی یا اسکاٹولوجیکل کردار کی وضاحت کرتا ہے، اور نہ ہی اس لفظ کے ساتھ کوئی مستقل اخلاقی یا ایمانی معیار باندھا گیا ہے۔ یہ خاموشی محض اتفاق نہیں بلکہ قرآنی بیانیے کے اندر ایک شعوری انتخاب معلوم ہوتی ہے، کیونکہ قرآن جس شخصیت کو مرکزی محور بناتا ہے اس سے خطاب بھی کرتا ہے، مکالمہ بھی کرتا ہے اور غیر معمولی حیثیت بھی دیتا ہے۔

خطاب کا یہ فرق فیصلہ کن اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ قرآنی اسلوب میں براہِ راست خطاب اتھارٹی اور مرکزیت کی علامت ہے۔ عیسیٰؑ سے نہ صرف دنیا میں خطاب کیا جاتا ہے، جیسے "یا عیسیٰ ابن مریم" (۱۱۶:۵)، بلکہ قیامت کے دن بھی ان سے سوال و جواب ہوتا ہے، جو ان کے اسکاٹولوجیکل رتبے کو واضح کرتا ہے۔ اس کے برعکس لفظ "محمد" کے ساتھ پورے متن میں نہ کبھی "یا محمد" آیا، نہ "قل یا محمد"، اور نہ ہی کسی مکالماتی ساخت میں یہ لفظ شامل ہُوا، جو کہ نصّی سطح پر اتھارٹی کے محل کی عدمِ تعیین کو ظاہر کرتا ہے۔

اسی طرح نجات کے قرآنی منطقے میں اطاعت، اتباع اور مغفرت کا باہمی ربط بار بار دہرایا گیا ہے، اور جب ان مقامات کا سیاقی مطالعہ کیا جائے تو یہ ربط عیسیٰؑ کے ساتھ واضح طور پر جڑا ہوا نظر آتا ہے، جیسے "وَإِن تُطِيعُونِ يُغْفَرْ لَكُم" (۳۱:۳) اور "مَن يَتَّبِعْنِي فَإِنَّهُ مِنِّي" (۵۱:۳)، جہاں اطاعت اور اتباع کو نجات کی شرط کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس کے مقابلے میں لفظ "محمد" کے ساتھ نہ اطاعت کا حکم موجود ہے، نہ اس لفظ کی اتباع کو نجات سے مشروط کیا گیا ہے، اور نہ ہی کسی اُخروی انجام کے ساتھ اس لفظ کو مربوط کیا گیا ہے، یہی وہ نکتہ ہے جو نصّی مرکزیت کے فرق کو مزید نمایاں کر دیتا ہے۔

اسکاٹولوجیکل اُفق پر یہ فرق اور بھی زیادہ جلی قلم سے لکھا ہُوادِکھائی دیتا ہے، کیونکہ قرآن آخری زمانے، قیامت اور حتمی فیصلے کے بیانیے میں عیسیٰ کو نشانی، گواہ اور اختلافات کے حل سے جوڑتا ہے (۵۵:۳؛ ۶۱:۴۳؛ ۱۱۷:۵)، جبکہ لفظِ "محمد" کے لیے نہ رجعت کا تصور ہے، نہ آخری گواہی، اور نہ ہی فیصلے کا کوئی کردار۔ چونکہ قرآن آخرت کے بیان میں کسی خلاء کو باقی نہیں چھوڑتا، اسی لیے یہ سکوت اپنے آپ معنی خیز بیانیاتی علامت بن جاتی ہے۔

لسانی سطح پر بھی یہ بات اہم ہے کہ قرآن میں متعدد "کلمات" دراصل اوصاف کے طور پر استعمال ہوئے ہیں، جیسے المسیح، الکلمہ، الرسول اور العبد، جو ذاتی شناخت سے زیادہ منصبی یا وصفی دلالت رکھتے ہیں۔ اسی تناظر میں یہ سوال پوری قوت کے ساتھ اُبھرتا ہے کہ آیا "محمد" اور "احمد" بھی ایک وصفی عنوانات ہیں یا ایک

مکمل سوانحی معرفہ۔اور قرآن اس سوال پر کوئی صریح فیصلہ صادر نہیں کرتا۔یہی وہ نصّی خلاء ہے جسے بعد کی روایت، سیرت نگاری، حدیثی ذخیرے، فقہی تشکیل اور خلافتی سیاست و حکمتِ عملی نے بتدریج پُر کیا۔
چنانچہ اس مطالعے کا حاصل یہ نہیں کہ کسی تاریخی شخصیت کی عظمت کو کم کیا جائے یا اسلامی روایت کی معنویت کو رد کیا جائے، بلکہ یہ کہ الکتاب کے اپنے متن، اس کے بیانیاتی وزن، لسانی ترجیحات اور اسکاٹولوجیکل ترتیب کے اندر مرکزی، مُطاع اور کثیر الاوصاف کردار عیسیٰ ابن مریم کا ہے، نا کہ لفظ "محمد" کا؟ یہ فرق اَقدار یا ایمان کا نہیں بلکہ نصّی مقام یعنی ٹیکسچوئل رول کا فرق ہے، اور یہی فرق قاری کو اس سوال کی طرف دعوتِ تدبّر دیتا ہے کہ آیا ہم "الکتاب" کو روایات کی عینک لگا کر پڑھ رہے ہیں یا الکتاب کو الکتاب ہی کے ذریعے سُننے سمجھنے پر واقعی آمادہ ہیں۔
ایک عمومی دعویٰ: علمائے اسلام کا یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالی کا محمد ابن عبد اللہ کو مختلف القاب کے ذریعے ندِاء دینا دراصل ان کے اکرام و احترام کو ملحوظ رکھنا ہے، جبکہ "یا محمد" کہنا ایک لحاظ سے سوءِ ادب اور بد لحاظی میں شمار ہوتا ہے۔

اس کی وضاحت: اِس دعوی یا اعتراض کا قرآنی، منطقی اور معقول جواب خود الکتاب کے داخلی اسلوب اور اس کے مستقل بیانیے سے بالکل واضح ہو جاتا ہے، بشرطیکہ ہم بہت بعد کی وضع کردہ تعظیمی تعبیرات کو ایک لمحے کے لیے معطل کر کے صرف نصِ قرآنی کو بولنے دیں۔
قرآن میں کسی شخصیت کو کس نام یا کس خطاب سے پکارا گیا ہے، یہ سوال ادب کا نہیں بلکہ بیانیے کے مقصد، منصب کی نوعیت اور مخاطب کے کردار سے جڑا ہوا ہے۔ الکتاب میں اللہ کا کسی رسول کو نام سے پکارنا یا کسی خاص خطاب سے نداء دینا، کسی بھی مقام پر برتری یا کمتری کی دلیل نہیں بنایا گیا۔ یہ بہت بعد کی تراشی گئی تعبیرات ہیں جنہوں نے اس فرق کو "اکرام و احترام" یا "سوئے ادب" کے مصنوعی سانچوں میں ڈھالا۔
قرآن خود گواہ ہے کہ اللہ نے متعدد انبیاء کو براہِ راست نام لے کر مخاطب کیا ہے۔ یا آدم، یا نوح، یا ابراہیم، یا موسیٰ، یا عیسیٰ — یہ سب صریح نداءئیں ہیں، اور ان میں کسی مقام پر یہ تاثر نہیں دیا گیا کہ نام لے کر پکارنا کوئی تنقیص یا بے ادبی ہے۔ اگر نام سے نداء بذاتِ خود سوئے ادب ہوتی تو سب سے پہلے یہی قاعدہ تمام انبیاء پر لاگو ہوتا، مگر الکتاب ایسا کوئی اصول قائم ہی نہیں کرتی۔
جہاں تک محمد کے معاملے کا تعلق ہے، تو یہاں ایک نہایت اہم اور فیصلہ کن نکتہ نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ قرآن میں لفظِ محمد اور احمد آیا ہے، مگر کسی ایک مقام پر بھی "یا محمد" کی نداء موجود نہیں۔ اس عدمِ نداء کی وجہ، ادب نہیں بلکہ بیانیاتی حکمت ہے۔ قرآن، محمد کو ایک فرد کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک فعلی منصب — رسالت، تبلیغ، انذار اور ابلاغ — کے تناظر میں ہی پیش کرتا ہے۔ اسی لئے خطاب بھی فرد کے معرفہ نام کے بجائے کردار اور ذمہ داری سے متعلق آتا ہے، جیسے یا ایھا النبی اور یا ایھا الرسول۔
یہاں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ نبی اور رسول ذاتی القاب نہیں بلکہ رسمی یعنی فنکشنل عنوانات ہیں۔ یہ وہ حیثیت ہے جس میں مخاطب کو یاد دلایا جا رہا ہے کہ وہ کیا کرنے کے لئے مامور ہے، نہ کہ وہ بطور شخصیت کون ہے۔ چنانچہ یہ خطاب تعظیم نہیں بلکہ ذمہ داری کی یاد دہانی ہے۔ اگر یہ محض اکرام کا اسلوب ہوتا تو قرآن میں یہ بھی کہا جاتا کہ اے محمد ہم نے تمہیں فلاں مقام پر یہ شرف دیا، مگر ایسا کہیں بھی نہیں کہا گیا ہے۔
اس کے برعکس عیسیٰ ابن مریم کو قرآن نہ صرف معرفہ نام سے یاد کرتا ہے بلکہ ان کی والدہ کے نام کے ساتھ بار بار جوڑتا ہے، اور خود ان کی زبانی "اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہ" جیسے فقرے کو بھی نقل کرتا ہے۔ یہاں نام، نسب اور عبدیت سب اکٹھے آتے ہیں، اور کہیں یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ اندازِ خطاب ادب کے خلاف ہے۔

مزید یہ کہ اگر "یا محمد" کہنا واقعی قرآنی طور پر سوئے ادب ہوتا تو قرآن خود اس اصول کو کہیں نہ کہیں واضح کر دیتا، جیسا کہ وہ دیگر آداب کی وضاحت کرتا ہے۔ مگر الکتاب میں ایسا کوئی نصی قاعدہ موجود ہی نہیں۔ یہ تصور بعد کے دَور میں تعظیمی مزاج، فقہی حساسیت اور شخصی تقدیس کے نتیجے میں پیدا ہوا، نا کہ بذاتِ خود قرآنی ہدایت کے طور پر؟

اصل قرآنی ادب، نام کے استعمال یا عدمِ استعمال میں نہیں بلکہ اطاعتِ حق، اتباعِ ہدایت، اور رسول کے لائے ہوئے پیغام کی پاسداری میں ہے۔ قرآن کی نظر میں بے ادبی یہ نہیں کہ کسی کو اس کے نام سے پکارا جائے، بلکہ اس کی نظر میں سنگین ترین بے ادبی یہ ہے کہ وحی کو پسِ پشت ڈالا جائے، میزان کو بگاڑا جائے، اور رسول کے اصل پیغام کو من مانی روایات کے نیچے دبا دیا جائے۔

چنانچہ قرآنی اور منطقی نتیجہ یہ ہے کہ "یا محمد" کو سوئے ادب قرار دینا نہ نص سے ثابت ہے، نہ عقل سے، اور نہ ہی الکتاب کے عمومی اسلوب سے۔ یہ ایک بعد کی مذہبی نفسیات ہے جسے ادب کا نام دے دیا گیا، جبکہ قرآن کا ادب شخصیت پرستی نہیں بلکہ حق کے سامنے جھک جانا ہے۔

Critical Appendix عمومی اعتراضات اور ان کے علمی و منطقی جوابات:

اعتراض (1): یہ مطالعہ ایک غلو ہے جو کہ عیسیٰ کو نبی سے کہیں بڑھا کر پیش کرتا ہے۔

جواب: یہ آنٹولوجیکل نہیں بلکہ ٹیکسٹول اظہارِ بیان ہے، الکتاب خود عیسیٰ کی عبودیت پر شدید زور دیتی ہے، مگر ساتھ ہی ان کو ایسے اوصاف سے نوازتی ہے جو کسی اور نبی کو نہیں ملے۔ متن کی پیچیدگی کو سمجھ کر ماننا غلو نہیں کہلاتا۔[1]

اعتراض (2): آپ کا یہ موقف اسلامی اجماع کے یکسر خلاف ہے۔

جواب: اجماع ایک تاریخی-فقہی تصور ہے، کوئی نصّی دلیل نہیں۔ یہ باب اجماع کو نہیں توڑتا بلکہ متن اور اجماع کے فرق کو آشکار کرتا ہے۔[2]

اعتراض (3): اگر عیسیٰ مرکزی حیثیت رکھتے ہیں تو پھر محمد کا کردار کیا رہ جاتا ہے؟

جواب: الکتاب میں لفظِ محمد کا کردار بنیادی طور پر بلاغی، اخلاقی اور جماعتی نظم سے متعلق ہے، نا کہ آنٹولوجیکل یا اسکاٹولوجیکل مرکزیت سے؟ یہ فرق محض کردار کا ہے، اَقدار کا نہیں۔[3]

اعتراض (4): الکتاب کی یہ قرآت مسیحی تعبیر سے سخت متاثر لگتی ہے۔

جواب: الکتاب خود عیسیٰ کو مسیحی عقائد سے بالکل الگ، تاہم غیر معمولی حیثیت دیتی ہے۔ متن کو اس کے سیاق میں پڑھنا "مسیحیت" اختیار کرنا نہیں کہلاتا۔[4]

اعتراض (5): یہ سب محض منتخب شدہ قرآت یعنی سیلیکٹیو ریڈنگ ہے۔

جواب: ہر قرآت انتخاب پر ہی قائم ہوتی ہے؛ فرق صرف یہ ہے کہ آیا انتخاب، روایت سے ہو رہا ہے یا متن کے داخلی اشارات سے۔ یہاں دعویٰ یہ نہیں ہے کہ یہ واحد ممکنہ قرآت ہے، بلکہ یہ کہ، یہ ایک متن کے اندر موجود، قابل دفاع اور نظر انداز شدہ قرآت ہے جسے علمی دیانت کے ساتھ زیرِ بحث لانا ناگزیر تھا۔[5]

اعتراض (6): "اللہ کے بعد سب سے بلند" کہنا عقیدۂ توحید کے لیے نہایت تشویشناک ہے۔

جواب: یہ اعتراض مفہوم کی غلط تعبیر پر مبنی ہے۔ یہاں آنٹولوجیکل برابری (برابریٔ الوہیت) کا دعویٰ نہیں بلکہ بیانیاتی اور منصبی درجہ بندی کی بات ہو رہی ہے۔ الکتاب خود عیسیٰؑ کو عبد بھی کہتی ہے، رسول بھی، اور کلمہ و روح بھی—یہ سب اوصاف جمع ہونا توحید کی نفی نہیں بلکہ کتابی پیچیدگی کا اعتراف ہے۔[6]

اعتراض (7): اگر یہ واقعی اتنا واضح ہے تو کلاسیکی مفسرین نے اسے کیوں نہ کہا؟

جواب: تفسیر ہمیشہ اپنے تاریخی سوالات کے جواب میں تشکیل پاتی ہے۔ اسکاٹولوجیکل اور متن-مرکوز قرآتیں جدید سوالات کے ساتھ ابھرتی ہیں—یہ تاخیر نقص نہیں بلکہ تاریخی فطرت ہے۔ [7]

اعتراض (8): الکتاب میں عیسیٰ کی شفاعت کا کوئی صریح ذکر نہیں پایا جاتا۔

جواب: درست؛ مگر الکتاب، عیسیٰ کو **"گواہ"** وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ (5:117) اور **"قیامت کی نشانی"** وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ (43:61) بناتی ہے۔ اور گواہی دراصل فیصلہ سازی کی بنیاد ہے—جو شفاعت سے کم درجہ نہیں بلکہ کہیں زیادہ بلند کردار ہے۔ [8]

اعتراض (9): یہ قرآت اُمتِ مسلمہ کے ایمان اور مذہبی شعور کو متزلزل کر سکتی ہے۔

جواب: اکیڈمک تحقیق کا مقصد استحکام نہیں بلکہ درست فہم ہوتا ہے۔ علمی سوال اُٹھانا ایمان شکنی نہیں بلکہ متن سے سنجیدہ مکالمہ کہلاتا ہے۔ [9]

اعتراض (10): یہ مطالعہ، نبوت کو صرف اسرائیلی تناظر تک محدود کر دیتا ہے۔

جواب: یہ تحدید نہیں بلکہ براہِ راست **قرآنی مشاہدہ** ہے (2:87 ؛ 45:16 ؛ 29:27)۔ نبوت کا تاریخی مرکز اسرائیل میں ہونا، یہ مطالعہ رسالت کے پیغام کو محدود نہیں کرتا بلکہ اس کی جڑ کو واضح کرتا ہے۔ [10]

اعتراض (11): لفظِ **"محمد"** کو غیر شخصی یا وصفی لقب بنانا تو غیر فطری لگتا ہے۔

جواب: الکتاب خود مسیح، کلمہ، روح، عبد جیسے اوصاف کو نام کے طور پر استعمال کرتی ہے۔ **محمد/احمد** کا وصفی ہونا لسانی طور پر **ممکن**، آثاری لحاظ سے مضبوط اور نصّی اعتبار سے بعید از امکان نہیں ہے۔ [11]

اعتراض (12): اس طرح کی تعبیر، روایتی عقائد و ایمانیات کو کمزور کر دے گی۔

جواب: یہ باب ایمان کی جگہ نہیں لیتا بلکہ متن کی قرآت پیش کرتا ہے۔ ایمان روایت سے بنتا ہے؛ اور تحقیق متن سے، دونوں کو خلط ملط کرنا علمی مغالطہ ہے۔ [12]

اعتراض (13): یہ قرآت، بعد میں پیدا کئے گئے تاریخی شواہد مثلاً (سیرت، حدیث) کو یکسر نظر انداز کر رہی ہے۔

جواب: یہ باب دانستہ طور پر "قرآن اونلی میتھڈولوجی" کو اختیار کرتا ہے۔ بعد کے مصادر کی اہمیت اپنی جگہ، مگر وہ "نصّ" نہیں بلکہ محض "متن کے بعد کی یادداشت" کہلاتی ہے۔ [13]

اعتراض (14): یہ سب نتائج ہمیں تو پہلے سے طے شدہ "کنکلوژن ڈرائیون" لگتے ہیں۔

جواب: متن سے آغاز، دلائل کی تدریجی تشکیل، اور متبادل قرآتوں کا اعتراف—یہ سب آپ کے الزام کی نفی کرتے ہیں۔ یہ دعویٰ کوئی مفروضہ نہیں بلکہ **کُھلے طور پر ایک علمی مقدمہ** ہے۔ [14]

فٹ نوٹس/حوالہ جاتی اشارات

1. Qur'an 5:75
2. Wael B. Hallaq, *Authority, Continuity, and Change*
3. Qur'anic address analysis (Neuwirth)
4. Sidney Griffith, *The Bible in Arabic*
5. Textual Hermeneutics (Gadamer / Ricoeur)
6. Tawḥīd vs Narrative Hierarchy
7. Classical Tafsir Development (Tabari → Ibn Kathir)

8. Qur'an 5:117; 43:61
9. Fazlur Rahman, *Major Themes of the Qur'an*
10. Donner, *Muhammad and the Believers*
11. Reynolds, *The Qur'an and Its Biblical Subtext*
12. Neuwirth, *The Qur'an as a Late Antique Text*
13. Hadith as Post-Qur'anic Memory
14. Methodological Self-Disclosure in Critical Studies

الکتاب کے مطابق: قرآن کے "حاضر نبی" کا منصب تو واضح ہے، مگر۔۔۔ اسے "محمد ابن عبدُاللہ" کے ساتھ قطعی، حتمی، یقینی اور واحد طور پر جوڑ دینا، قرآن کی صریح نص سے بالکل بھی ثابت نہیں۔ اور یاد رہے، یہ حقیقت، نہ گستاخی ہے نہ انکار، بلکہ قرآنی متن اور تاریخی روایت کے فرق کی ایک دیانتدارانہ نشاندہی ہے!

اختتامیہ:

یہ کتاب ایک ایسا سفر ہے جس میں تفکّر، جستجو، تنقید، تدبّر، سوال در سوال، اور متن کے ساتھ غیر متزلزل وفاداری، وہ اہم ترین عناصر رہے ہیں، جنھوں نے باہم مل کر اسے محض ذاتی اظہارِ رائے سے اُٹھا کر، ایک سنجیدہ علمی اور تحقیقی موقف اور منظم و مربوط انداز میں ایک کتاب کی صورت دے دی۔

یہ کتاب اسلامی فکر کے عین مرکز میں واقع ایک ایسے بنیادی سوال سے آغاز کرتی ہے جسے صدیوں سے یا تو بدیہتاً فرض کر لیا گیا تھا، یا پھر دیدہ و دانستہ طور پر نظر انداز کیا جاتا رہا، وہ یہ کہ: کیا محمد ابن عبد اللہ کا وہی براہِ راست، صریح، قطعی، نصّی تعلق الکتاب (قرآن) سے ثابت ہوتا ہے جس کا دعویٰ موروثی اسلامی روایت مسلسل کرتی چلی آئی ہے، یا یہ تعلق دراصل بہت بعد کی تاریخی، فقہی اور کلامی تشکیل کا اختراع کردہ بیانیہ ہے؟

اس سوال کا خلوص مندانہ تعاقب کرتے ہوئے اس مطالعے نے شعوری اور اصولی طور پر روایت، حدیث، سیرت، فقہ، اجماع اور قرآن کے بعد آنے والے اعتقادی سانچوں کو معیارِ تحقیق بنانے سے احتراز کیا، اور صرف قرآن کے خالص، داخلی، خود کفیل اور باہمی مربوط نصوص کو میزانِ استدلال اور پیمانۂ تنقیح بنایا ہے۔ اس تحقیق کا مقصد کسی تاریخی شخصیت کی عظمت کو چیلنج کرنا نہیں تھا، بلکہ یہ جانچنا تھا کہ قرآن خود — اپنی زبان، اپنے سیاق، اپنی نحوی ساخت اور اپنے مجموعی بیانیاتی وزن میں — کس شخصیت کو مرکزی، مطاع اور حتمی رسول کے طور پر متعارف کراتا ہے۔

اس خالص نصّی اور داخلی مطالعے کا سب سے نمایاں، مستقل اور فیصلہ کن نتیجہ یہ سامنے آیا کہ قرآن میں جس شخصیت کا ایک جامع، ہمہ جہتی اور غیر معمولی کتابی پروفائل اُبھرتا ہے، وہ ہیں عیسیٰ ابن مریم = محمد — نا کہ وہ تاریخی–روایتی شخصیت جو صدیوں بعد "محمد ابن عبد اللہ" کے نام سے ایک مکمل نبوی سوانح کی صورت میں تشکیل دی گئی؟ قرآن، عیسیٰ = محمد کو محض ایک نبی کے طور پر پیش نہیں کرتا، بلکہ ان کی ذات میں وحی اور کتاب (الانجیل)، کلمۃُ اللہ اور روحٌ منہ، اذنِ الٰہی سے صادر ہونے والے تخلیقی اور حیات بخش معجزات، اخلاقی تزکیہ اور باطنی اصلاح کی مرکزیت، اختلافات کی توضیح اور صراطِ مستقیم کی تعیین، براہِ راست اطاعت و اتباع کے صریح احکام، اور قیامت سے وابستہ ایک واضح اور فعّال اسکاٹولوجیکل کردار — یہ سب کلیدی عناصر ایک واحد، مربوط اور ہم آہنگ کتابی بیانیے میں اس طرح جمع ہو جاتے ہیں کہ پورے قرآن میں کسی دوسری شخصیت کے لیے اس کی کوئی نظیرِ ثانی موجود نہیں۔

بالخصوص یہ حقیقت غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے کہ قرآن میں اتباع اور اطاعت کو بار بار، صراحتی تاکید کے ساتھ صرف عیسیٰ = محمد کی ذات کے ساتھ مشروط کیا گیا، اور اسی اتباع کو متعدد مقامات پر "ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ" قرار دیا گیا ہے۔ یہ امتیاز نہ صرف یکتا و یگانہ ہے بلکہ نصّی طور پر کسی دوسری شخصیت کے

حصے میں بالکل بھی نہیں آتا۔ اسی طرح قیامت تک کے لیے ان کے پیروکاروں کے غلبے کا وعدہ بھی ایک صریح اور قطعی نص کے طور پر صرف عیسیٰ = معہ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے، جو ان کی کتابی مرکزیت کو زمانی و مکانی حدود سے ماوراء کر دیتا ہے۔

اس کے بالمقابل، قرآن میں لفظِ "محمد" نہ کسی مکمل تاریخی شخصیت کے تعارف کے طور پر سامنے آتا ہے، نہ براہِ راست خطاب کی صورت میں، نہ سیرت، نہ نسب، نہ حیات و ممات، نہ نبوی منصب کی مربوط اور تفصیلی تشکیل کے ساتھ، اور نہ ہی کسی مقام پر اطاعت و اتباع کا کوئی صریح قرآنی حکم اس لفظ کے ساتھ منسلک کیا گیا ہے۔ یہی وہ عمیق، بامعنی اور فیصلہ کن نصّی خلاء ہے جسے بعد کے اَدوار — بالخصوص عباسی دَور میں — حدیث، سیرت اور فقہی روایت کے ذریعے بتدریج، منظم اور مصنوعی طور پر پُر کیا گیا، جس کے نتیجے میں ایک ہمہ گیر مگر قرآنی نصوص سے نمایاں طور پر بالکل باہر، ایک نبوی بیانیہ وجود میں آیا۔

یوں یہ تحقیق اس ناگزیر نتیجے پر پہنچتی ہے کہ قرآن کا داخلی، صریح، خود کفیل اور نصّی نظامِ ہدایت، بعد کی موروثی اسلامی تھیالوجی سے نہ صرف مختلف ہے بلکہ کئی بنیادی اور اعتقادی مقامات پر، قرآن سے باہم مربوط بھی نہیں۔ قرآن کے مطابق "مسلمان" کی شناخت وحی، کتاب اور مُطاع رسول کی اطاعت سے مشروط ہے — اور یہ تعیین و تثبیت قرآن میں واضح اور اعلانیہ طور پر عیسیٰ بن مریم = معہ اور الانجیل کے ساتھ وابستہ پائی گئی ہے، نا کہ بہت بعد میں مدوّن ہو کر تشکیل پانے والی روایات کے ساتھ؟

بالآخر، یہ تحقیق اس مضبوط، دو ٹوک اور علمی طور پر ناگزیر دعوے پر اختتام پذیر ہوتی ہے کہ قرآن میں عیسیٰ = معہ کی شان، مرکزیت اور خصوصیت ایسی غیر معمولی وُسعت اور بے نظیر انفرادیت رکھتی ہے جس کا انکار صرف روایت کے سہارے ہی کیا جا سکتا ہے، نصِ قرآنی کے ذریعے ہرگز بھی یہ ممکن نہیں۔ قرآن کے اصولی، بنیادی اور اعتقادی نتائج کو صدیوں بعد وضع کی گئی روایات کے بجائے خود قرآنی نصوص کو جواب دہ بنایا جائے۔ اگر قرآن واقعتاً "کتابِ مبین" ہے تو کیا ہم نے کبھی اُسے خود بولنے دیا؟ یہی اس تحقیق کا اصل علمی وزن، فکری جرأت، اور فہمِ دین کے لیے سب سے بڑا اور فیصلہ کن چیلنج ہے۔

۔۔۔ درحقیقت یہ اختتام نہیں بلکہ یہ — قرآنی متن کے ساتھ ایک نئی، بے خوف، حوصلہ مند اور بِلا واسطہ مُلاقات ہے!!!

قرآن کا حتمی فیصلہ

"ہم ایمان لائے — اور گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں" (القرآن 5:111)، قرآن نے "مسلمان" صرف عیسیٰ ابن مریم کے متبعین کو کہا ہے۔ کسی ایک آیت میں بھی لفظِ محمد کے پیروکاروں کو نام لے کر مسلمان قرار نہیں دیا گیا۔ فیصلہ تو قرآنی متن کرتا ہے، جبکہ عباسی روایت کو اس کے تابع رہنا ہوگا!

حاصلِ کلام :

الکتاب کا مرکزی کردار: عیسیٰ ابنِ مَریم

روایت کا مرکزی کردار: محمّد ابنِ عبدُ اللّٰہ

مُعزّز علمائے اسلام کے نام — ایک حتمی و نصّی چیلنج

یہ مطالعہ کسی روایت، اِجماع یا تاریخی مفروضے پر نہیں بلکہ
صرف قرآن کے اپنے متن پر قائم اور محکم ہے۔
قرآن کی داخلی شہادتیں یہ ظاہر کرتیں ہیں کہ اس کی سب سے
جامع، مرکزی اور آخرتی حیثیت عیسیٰ ابنِ مریم = ܡܚܡܕ کو حاصل ہے،
جبکہ لفظِ "محمد" محدود اور غیر بیانیاتی استعمال میں آتا ہے۔
یہ دعویٰ گھڑا نہیں گیا — بلکہ متن میں باضابطہ دیکھا گیا ہے۔
اگر یہ قرأت غلط ہے تو اس کا ردّ بھی صرف قرآن سے کیجیے گا۔
روایت، اِجماع اور تعظیم و تقدیس، قرآن کی کسی بھی نصّی دلیل کا جواب نہیں۔
فیصلہ صرف متن کرتا ہے، اور صرف متن ہی اسے درست بھی کرسکتا ہے!

You may contact me through the following channels:

YouTube: www.youtube.com/@Quranwala88

Email: quranwala88@gmail.com

WhatsApp: + 44 7502 433 473